إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

حیاتِ اسلام

شیخ طریقت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا

حکیم محمد اسلام صاحب انصاری

بانی و مؤسس

جامعہ عربیہ نور الاسلام میرٹھ

مرتب

سید احمد قاسمی

شعبۂ نشر و اشاعت

مکتبۂ الاسلام

جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ شہر (یوپی)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حیات اسلام
مرتب	:	سید احمد قاسمی
صفحات	:	۲۱۲
قیمت	:	
تعداد	:	دو ہزار (۲۰۰۰)
سن اشاعت	:	۲۰۱۵ء
کمپوزنگ	:	سہیل احمد نوری

ملنے کا پتہ

مکتبہ الاسلام جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ، میرٹھ (یوپی)

فہرستِ مضامین حیاتِ اسلام

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحات
۱	عرضِ ناشر:	حافظ عبدالوہاب	۵
۲	عرضِ مرتب:	مفتی سید احمد قاسمی	۶
۳	بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی:	مفتی سید احمد قاسمی	۱۴
۴	ایک اسم بامسمی بزرگ شخصیت:	حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی	۱۰۱
۵	حکیم صاحب طبیب حاذق:	حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری	۱۰۵
۶	ایک عہد کا خاتمہ:	حضرت مولانا محمد سعیدی مظاہری	۱۰۷
۷	حکیم محمد اسلام انصاریؒ:	مفتی ثناء الہدی قاسمی	۱۱۴
۸	طبیب روحانی وجسمانی کا حسین امتزاج:	مولانا فرید الدین قاسمی	۱۱۷
۹	وہ اکابر واسلاف کا نمونہ تھے:	مفتی محمد عارف قاسمی	۱۲۳
۱۰	میرے استاذ، میرے مربی:	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	۱۲۶
۱۱	آہ! مرشدنا الحکیمؒ:	مولانا محمد الیاس مظاہری	۱۳۲
۱۲	میرے شیخ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ:	مولانا عبدالعزیز بن محمد عبداللہ	۱۴۰
۱۳	حضرت مولانا حکیم محمد اسلام ایک عبقری شخصیت:	مولانا محمد یعقوب قاسمی	۱۴۲
۱۴	چند ملاقاتیں:	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر	۱۴۷
۱۵	ہر دل عزیز شخصیت:	مولانا ابوالکلام قاسمی	۱۵۰

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحات
۱۶	جامع صفات:	مولانا محمد صادق قاسمی	۱۵۲
۱۷	جامع العلوم والکمالات:	قاری عبدالقیوم قاسمی	۱۵۶
۱۸	اختر تاباں:	مفتی محمد آصف قاسمی	۱۶۲
۱۹	آہ! عظیم شخصیت نہ رہی:	مفتی محمد حسن قاسمی	۱۶۷
۲۰	ایک عالم ربانی کا وصال:	مفتی محمد طیب قریشی	۱۶۹
۲۱	آہ! میرے مشفق ومربی:	مولانا رئیس احمد قاسمی	۱۷۲
۲۲	میر کارواں ہوتو ایسا:	مولانا سید ولی اللہ قاسمی	۱۷۶
۲۳	ایک چراغ اور بجھا:	مولانا محمد عمر قمر کھجوروی	۱۷۹
۲۴	تقویٰ وتصوف کا پیکر جمیل:	مفتی سید محمد اسلم قاسمی	۱۸۱
۲۵	آسمان ہدایت کا درخشندہ ستارہ:	مولانا محمد عمر مظاہری	۱۸۷
۲۶	میرے بزرگ ومربی:	الحاج محمد اسعد صدیقی	۱۹۰
۲۷	میرے کرم فرما:	حافظ عبدالوہاب	۱۹۳
۲۸	میرے محسن ومشفق:	الحاج محسن اختر سجناوالے	۱۹۵
۲۹	مکتوب:	الحاج فضل الرحمٰن	۱۹۷
۳۰	مکتوب برعطائے خلافت:	مولانا نسیم احمد مظاہری	۱۹۸
۳۱	فخر ایشیاء منظوم:	مولانا محمد عمر قمر کھجوروی	۲۰۹
۳۲	علم وعمل کا سمندر منظوم:	مولانا علاؤالدین نوری	۲۰۲
۳۳	تعزیت نامہ منظوم:	مولانا نصیر احمد ناصر	۲۰۵
۳۴	شجرۂ اسلامیہ چشتیہ منظوم:		۲۰۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

اس خوش بختی پر جس قدر بھی ربِّ حقیقی کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر پیش کیا جائے کم ہے کہ اس ذاتِ کریم نے مرشدی ومولائی شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا الحاج حکیم محمد اسلام صاحب انصاری رحمہ اللہ خلیفۂ اجل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب بنام ''حیاتِ اسلام'' کی اشاعت کا موقع میسّر فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے قبولیتِ عامّہ عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط والسلام

حاجی محسن اختر سجناوالے
بینک کالونی میرٹھ شہر

عرضِ مرتب

میرے تحت الشعور میں یہ بات بچپن سے تھی کہ دنیا میں اولیاء اللہ اور صلحاء سماج کی رہنمائی اور اصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ایسے ہی لوگ عوام کی عقیدت کا محور اور اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں لیکن بہت جلد مجھ پر یہ منکشف ہوگیا کہ جس آنگن میں میرے بچپن کو آگہی ملی اور جس چہار دیواری میں میں سن شعور کو پہنچا وہاں بھی اللہ کے ایک ولی موجود ہیں جو میرے نانا صاحب کی شکل میں میری شب و روز تربیت انجام دیتے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم محمد اسلامؒ میرے نانا ہی نہیں بلکہ میرے استاذ و مربی اور ایک ایسے مشفق سرپرست تھے جن کی نورانی شخصیت سے میرا مکمل وجود منور ہوتا رہا ہے۔ آج ان کے فکر و فن، علم و آگہی اور ان کی جملہ صفات کی جھلک نیز ان کی روشن کارکردگی کے نقوش کو کتابی شکل میں مرتب کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے میرے ذہن میں کئی طرح کے احساسات ہیں۔ ایک طرف رشتے کی ڈور سے بندھے راہ و رسم ہیں تو دوسری طرف حضرت حکیم صاحبؒ کی شخصیت کے روشن پہلوؤں کو راست طور پر دیکھنے، پرکھنے اور برتنے کی وجہ سے جذباتی عقیدت کی ایک کشش ہے جسے پوری طرح الگ الگ طور پر پیش کرنا اور اس کا حق ادا کرنا مجھ بے زبان و بے قلم کے لیے بے حد مشکل امر ہے، تاہم جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جس کے چند قطرے ان اوراق پر بکھیر دیے گئے ہیں، امید کہ صاحب نظر افراد انہیں قطروں سے حکیم صاحبؒ کے علم و زہد اور فکر و فن کے سمندر کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

راقم الحروف نے جب شعور کی چوکھٹ پر قدم رکھا تو حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ

کی وسعتِ علمی کا ستارہ عروج پر تھا، اکابر علماء اور مشاہیر سے ان کی غیر معمولی قربت نے بھی ان کی عظمت کو باور کرادیا تھا، ان کا قائم کردہ جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ حضرت حکیم صاحب کی دینی ودعوتی فکر کا ترجمان اور علوم اسلامیہ کا عظیم مرکز بن کر شہرہ حاصل کر چکا تھا، علاوہ ازیں حضرت والا ایک ماہر طبیب بھی تھے جن کی وجہ سے ان کی شہرت دور دور تک ہو چکی تھی۔ شعوری طور پر حضرت والا کی صبح وشام کا راست مشاہدہ کرتے ہوئے تقریباً تین دہائی کا عرصہ گذر گیا، اس دوران دین ودعوت اور اصلاح معاشرہ کے تئیں ان کی ذہن سوزی کو سمجھنے کا موقع ملا، اتحاد امت کے لیے ان کی کوششیں بھی نظر آئیں، ہندوستان میں فرقہ وارانہ ماحول پر ان کو کڑھتے ہوئے بھی دیکھا، عام مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے حکیمانہ انداز سے بھی روبرو ہوا، طب کے پیشے میں دعوتی اسلوب کو بھی محسوس کیا، سیاسی وسماجی لوگوں سے بھی انہیں ملتے ہوئے پایا، جامعہ عربیہ نورالاسلام کے سربراہ کی حیثیت سے اساتذہ، طلبہ اور ارباب حل وعقد سے ان کے روابط ورویے سے بھی روبرو ہوا، ایسے میں میرے لیے کافی مشکل تھا کہ میں حضرت ممدوحؒ کی شخصیت کے کس پہلو کو اولیت دوں اور کسے نظر انداز کردوں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ بیک وقت ایک ممتاز عالم دین، بے لوث مصلح، بہترین انتظام کار، باذوق مصنف، ہردلعزیز قائد اور اسلاف کے سچے نمونہ تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک سادگی پسند بہترین انسان تھے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کے تعلقات کافی وسیع تھے، اور کیوں نہ ہوں کہ وہ بیک وقت ایک ممتاز عالم دین، مدبر ومربی، سماجی ذمہ دار، مسلم تنظیموں کی سربرآوردہ شخصیت کے حامل، جامعہ عربیہ نورالاسلام سمیت متعدد مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار وسرپرست اور پیشے سے ایک نباض حکیم تھے۔ چنانچہ ان کے تعلقات میں ایک بڑی

تعداد ان لوگوں کی تھی جو گذشتہ پچاس برسوں کے دوران خالص دینی بنیادوں پر ان کے ربط میں آئے ،تعلقات کی دوسری وجہ جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ کی نظامت تھی ، جامعہ عربیہ نورالاسلام کی وجہ سے ہزاروں علماء اور لاکھوں طلبہ سے ان کا تعلق قائم ہوا، چونکہ میرٹھ دینی ،ملی وسیاسی سرگرمیوں کا ہر عہد میں مرکز رہا ہے، خاص طور پر مسلم تنظیموں کی جملہ سرگرمیوں کے گواہ کے طور پر اس شہر کو ہمیشہ پیش کیا جاتا رہا ہے، اس لیے تمام تر سرگرمیوں میں حضرت حکیم صاحبؒ کا تعاون ومشورہ شامل رہتا،اس لحاظ سے بھی تعلقات کی ایک نئی دنیا قائم تھی ،اسی طرح ہزاروں ایسے عقیدت مند تھے جن کی راست طور پر دینی تربیت ورہنمائی کی تھی۔ان کے علاوہ ہزاروں ہندو ومسلمان ایسے تھے جو حضرت حکیم صاحبؒ سے اس وجہ سے متعلق تھے کیونکہ وہ حضرت کے یونانی طریقہ علاج سے شفایاب ہو چکے تھے۔حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ سلوک وتصوف کے میدان کے جوہر آبدار تھے تو طب یونانی میں بھی انہیں کافی ملکہ حاصل تھا اور ان کے ہاتھ میں اللہ نے شفا رکھی تھی ، چنانچہ لاکھوں لوگ ان کے علاج سے فیض یاب ہوئے۔حضرت حکیم صاحبؒ عالم دین بھی تھے اور جامعہ عربیہ نورالاسلام کے منتظم بھی ، وہ پیر ومرشد بھی تھے اور سماجی ذمہ دار بھی ،اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے حکیم بھی ،یعنی ایک ذات مثل انجمن تھی،اس لیے ان کے تعلقات بھی ہمہ گیر تھے۔اتنے گوناگوں تعلقات والے اس مرد جلیل کے انتقال پر تمام شعبہ حیات اور ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں میں صف ماتم بچھ جانا فطری امر تھا،جس کا مظاہرہ ان کے جنازہ میں موجود لاکھوں لوگوں کے ہجوم سے بھی ہوا۔

حضرت حکیم صاحبؒ احقر سے بے پناہ محبت کرتے تھے لیکن ان کی خصوصی توجہ میری طرف اس وقت ہوئی جب میں ۱۹۹۰ء میں پانچویں کلاس میں زیر تعلیم تھا،ان کی منشا کیا تھی وہی جانتے تھے ،ایک دن مجھے رکشہ میں بٹھا کر مجھے مطب لے گئے اور راستے

میں 2 رسگلے دلوائے، اس کے بعد تو ان کے لطف وکرم کا سلسلہ مزید دو چند ہوتا گیا اور پھر حضرت کے حکم سے میں نے اسکول سے واپس آنے کے بعد حضرت حکیم صاحب کے مطب پر جانا شروع کر دیا اور وہاں حضرت نے دواؤں کے متعلق ہر روز کچھ نئی بات بتانی شروع کی، رفتہ رفتہ میں بہت سی دواؤں کے نام جاننے لگا اور مفردات ومرکبات کی اصطلاحات سے واقف ہوگیا۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے مطب سے فارغ ہوکر بعد نماز عصر مجھے پڑھانا بھی شروع کیا۔ میں اسکول کے ساتھ ساتھ ہر روز حمد باری، تعلیم الاسلام، کریما وغیرہ کتابیں حکیم صاحب سے پڑھا کرتا تھا، دسویں کلاس کے بعد اسکولی تعلیم منقطع کروا کر حضرت حکیم صاحب نے مدرسہ نور الاسلام میں باضابطہ داخلہ کروادیا، میں نے یہاں عربی پنجم تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۹۷ء کو حضرت حکیم صاحب نے مولانا عبدالستار صاحب کے ہمراہ دیوبند روانہ کیا۔ دارالعلوم وقف دیوبند میں میرا داخلہ عربی ششم میں ہوا، اور میں دورہ حدیث اور افتا کی تکمیل کے بعد ۲۰۰۰ء میں واپس میرٹھ آ گیا اور پھر حکیم صاحب کے حکم پر ۲۰۰۱ء میں جامعہ عربیہ نور الاسلام میں تدریسی خدمات انجام دینے لگا۔

جامعہ عربیہ نور الاسلام سے بحیثیت مدرس وابستگی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ حضرت حکیم صاحب میری تربیت ایک دوسرے نہج سے کرنا چاہتے ہیں۔ درس وتدریس کے تئیں میری کارکردگی کا جائزہ لیتے، کچھ مشورے دیتے اور اس بات پر زور دیتے کہ میں فقہ واصول فقہ میں درک حاصل کروں، چنانچہ کچھ دنوں بعد حضرت نے مجھے فقہ وافتاء میں اختصاص کے لیے فقہ کی معرکۃ الآراء کتاب ''ہدایہ'' اور ''کنز الدقائق'' پڑھانے کا حکم دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کی ذمہ داری بھی سپرد کر دی۔

راقم الحروف حضرت کی ایماء واشارے پر کام کرتا رہا اسی دوران ۲۰۰۵ء میں مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ کے ختم بخاری شریف کے جلسے سے واپس آتے ہوئے

حضرت حکیم صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔کولہے کی ہڈی فریکچر ہوگئی جس کا آپریشن کرانا پڑا، بھارت نرسنگ ہوم میرٹھ میں ڈاکٹر سنجے نے آپریشن کیا،دوران آپریشن خون چڑھانے کی نوبت آئی تو ایک یونٹ خون مولانا عبدالستار صاحب نے اور ایک یونٹ مجھے عطیہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ڈاکٹروں کے مشورے سے حضرت حکیم صاحب کو تقریباً چھ مہینے تک بستر استراحت پر رہنا پڑا،اس دوران انہوں نے مطب اور جامعہ عربیہ نورالاسلام کی پوری ذمہ داری میرے سپرد کردی،حضرت کی سرپرستی میں احقر مدرسہ اور مطب کی ذمہ داری ادا کرتا رہا۔

جامعہ عربیہ نورالاسلام کی انتظامی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے میں حضرت سے مشورے لیا کرتا،ان کے اشاروں اور کنایوں کی رعایت کرتے ہوئے میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہا لیکن میں نے محسوس کیا کہ حضرت رفتہ رفتہ مجھے خودانحصاری اور خوداعتمادی کی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں ، چنانچہ وہ آہستہ آہستہ سارے امور میری صوابدید پر چھوڑتے چلے گئے ، یہاں تک کہ انہوں نے بعد کے دنوں میں جامعہ عربیہ نورالاسلام میں آنا بھی چھوڑ دیا تھا ،بس جمعہ کے روز آتے اور بعد نماز جمعہ خانقاہ میں دعوت وارشاد کی مجلس کو رونق بخشتے ، نیز اپنے لگائے ہوئے دین ودعوت کے اس باغ کو دیکھ کر فرحت وانبساط کے ساتھ چلے جاتے۔

جب میں نے دیکھا کہ حضرت حکیم صاحب کا مجھ پر اور میرے کاموں پر اعتماد بڑھتا جارہا ہے تو مجھے برسوں پہلے دیکھا ہوا ایک خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہوا نظر آیا، یادش بخیر!

یہ ۱۹۹۹ء کی بات ہے جب میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا اور دارالعلوم وقف دیوبند میں زیر تعلیم تھا، میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک ایسی جگہ ہوں جہاں رنگ برنگی

خوبصورت چڑیاں پنجرے میں ہیں اورلوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے ہیں،اتنے میں ایک بزرگ آئے اور مجھ سے کہا کہ میرے سامانوں کی گٹھڑی اٹھا کر میرے ساتھ چلو، میں نے وہ گٹھڑی اپنے سر پر اٹھائی اور لے کر چلنے لگا،میں چلتا رہا کچھ دور جانے کے بعد مڑ کر دیکھتا ہوں کہ وہ بزرگ موجود نہیں تھے،اوراس گٹھڑی کو لے کر میں چڑی بازار میں کھڑا ہوں،اوروہ سامان میرے پاس ہی موجود ہے،اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔اسی روز بعد نماز عصر میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ کی مجلس میں گیا اور اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی،حضرت نے فرمایا کہ خواب مبارک ہے،حضرت نے کچھ دعائیہ جملے کہے اور فرمایا کہ تمہارے اوپر کچھ بڑی ذمہ داری آنے والی ہے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ حکمت ودانائی کے ایک کوہ گراں تھے،ان کی ہر بات میں حکمت ونصیحت ہوا کرتی تھی، چنانچہ جب بھی کچھ فرماتے میں نہایت سنجیدگی سے اسے سنتا اوراس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا، وہ فرماتے کہ اجتماعی اور انتظامی امور میں نہایت بردباری اور توسع کی ضرورت ہوتی ہے جب تک یہ چیزیں نہیں آئیں گی انتظام و انصرام درست نہیں ہوگا،اس قسم کی ان کی ہر بات یاد آتی ہے۔حضرت حکیم صاحب اپنی سرپرستی میں احقر سے جامعہ عربیہ نورالاسلام کی جملہ ذمہ داریاں ادا کرواتے رہے اور یہ سلسلہ تقریباً چھ برس تک جاری رہا۔

۲۰۱۲ء میں راقم الحروف نے حج کا فارم بھرا،منظوری کے بعد حضرت سے ذکر کیا تو حضرت نے اس وقت کچھ نہ کہا لیکن چند دنوں بعد مجھے حج میں جانے کے لیے منع فرمایا۔پھر دو ہفتہ کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ تم نے کیا سوچا؟ تو میں نے بتادیا کہ آپ کی جو رائے ہے اس پر قائم ہوں، پھر چند دنوں کے بعد حضرت نے مجھے بلایا اور کہا کہ حج پر چلے جاؤ اور پہلے جا کر پہلے واپس آجانا،میری بکنگ بعد کے فلائٹ میں تھی لیکن میری

کوشش سے حضرت کی خواہش کے مطابق پہلی فلائٹ میں جگہ مل گئی۔ حج کے لیے روانہ ہوکر جب میں مدینہ پہنچا تو دوسرے دن ہی مجھے اطلاع ملی کہ حضرت حکیم صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور وہ اسپتال میں داخل ہیں۔ دل بیٹھ گیا، وہاں ہم لوگوں نے دعا کی اور لوگوں سے بھی دعا کے لیے کہا اور ہم شدید تشویش میں مبتلا ہوگئے۔ اللہ نے شفا دی اور وہ گھر آ گئے، اس کے بعد حج مکمل کر کے یکم نومبر ۲۰۱۲ء کو میں وطن پہنچا، حضرت سے ملاقات ہوئی، پہلے سے طبیعت بہتر تھی، لیکن پھر ٹھیک ایک مہینے کے بعد یکم دسمبر کو دو دن بیمار رہ کر وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

حضرت مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو مجھے کثرت سے بلاتے اور سمجھاتے اور مشورے دیتے۔ کچھ نصیحتیں کرتے، احقر نے ان نصیحتوں کو مضبوطی کے ساتھ گرہ باندھ لیں۔ انتقال سے قبل میں حضرت کے سرہانے موجود تھا، گھر کے سبھی افراد بھی موجود تھے، جاں کنی کے وقت حضرت کی زبان سے اللہ اللہ کا ورد جاری تھا، میرے والد محترم حاجی سراج النبی صاحب نے زمزم پلایا اور بڑے بھائی قاری محمد احمد قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ حضرت کی آواز دبتی چلی گئی یہاں تک کہ ان کی زبان سے اللہ اللہ کی آواز پوری طرح ساکت ہوگئی۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ میرٹھ شہر کے پیر و مرشد تھے، زعمائے شہر ان کی بے پناہ عزت واحترام کرتے تھے، چنانچہ جب حضرت کا انتقال ہوگیا تو ایسا محسوس ہوا کہ میرٹھ شہر اپنے ایک سرپرست سے محروم ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد شہر کے مختلف محلوں میں تعزیتی جلسے ہوئے بلکہ جلسوں کا ایک سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ جامعہ عربیہ نورالاسلام کی پوری ذمہ داری میرے کاندھے پر آنے کی وجہ سے میری ہمت افزائی کے لیے تہنیتی جلسے بھی ہوئے، میرے سر پر عمامہ باندھا جانے لگا تو ہمیں مشورہ کر کے تعزیتی جلسوں کو روکنا پڑا کہ کہیں بدعت کی شکل نہ اختیار کر لے۔

آج ہمارے درمیان حضرت حکیم صاحب نہیں رہے لیکن ان کی یادیں، ان کی نصیحتیں اوران کے فیوض وبرکات کی نشانیاں موجود ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ ان کے درجات بلند کرے، آمین۔ اب ہمارے سامنے حضرت حکیم صاحب کی یادگار جامعہ عربیہ نورالاسلام کی تعمیر وترقی ہے اور دین ودعوت کے میدان میں حضرت کی کارکردگی کے جو روشن نقوش ہیں ان پر چل کر ہمیں دین کی خدمت انجام دینا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی سرگرمیوں کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی حضرت حکیم صاحبؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وھو اللہ المستعان۔

احقر سید احمد قاسمی

خادم جامعہ عربیہ نورالاسلام، میرٹھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی﴾

انسانی دنیا کی اب تک کی تاریخ ہے کہ بعض شخصیتیں کبھی تو اپنی انفرادی فکری جہتوں کی وجہ سے دنیا والوں پر اپنے گہرے نقوش مرتسم کرتی ہیں، بعض کے اخلاق میں بے پناہ کشش ہوتی ہے اور قریب و دور کی مخلوقات کا ایک انبوہ اُن کی ثنا خوانی میں رطب اللسان رہتا ہے، بعض کا علمی پایہ اِس قدر بلند و بالا ہوتا ہے کہ اس کی انتہا کا اندازہ کرنے میں معاصرین کے فکر و نظر کی ٹوپیاں گرنے لگتی ہیں، اُن کے اندازوں اور تصورات کی دنیا تنگ پڑ جاتی ہے اور اُن کی علمی رسائیوں کی تمام تر گہرائیاں بھی ایسے لوگوں کی علمی بے کرانی کا صحیح اندازہ نہیں لگا پاتیں، حتی کہ یہی شانِ انفرادیت و امتیاز اُن کی زندگی کا شناس نامہ بن جاتا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کی للّٰہیت، خلوص، خود شناسی و خدا شناسی و خدا ترسی اپنے عہد کے انسانوں کے لیے ماڈل ہوتی ہے، اُن کی زندگی کی صبح و شام صرف اور صرف اللہ کی یاد اور انسانوں کی تذکیر و ہدایت میں گزرتی ہے، وہ اپنی زندگی میں پیش آنے والے ایک ایک واقعے سے سبق لیتے اور اِس دنیاوی زندگی کو اُس اخروی زندگی میں فلاح و کامرانی کے حصول کا ذریعہ بنانا اُن کا ایک واحد مطمحِ فکر و نظر ہوتا ہے، ایسے لوگ اپنے معبود کی بندگی و عبادت میں جیتے اور اسی قابلِ رشک حالت میں ان کی زندگی کی کشتی کنارے لگتی ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنی تمام تر فکری صلاحیتوں، مادی آسایشوں اور اموال و اسباب کو غریبوں محتاجوں، بے کسوں اور بے سہاروں کی اسباب رسانی میں صرف

کرتے، وہ اپنی نگاہوں کے سامنے کسی بے آسرا کو ہاتھ پھیلائے ہوئے نہیں دیکھ سکتے، کسی اپاہج، درد کے مارے اور زمانے کے ستمگروں کے شکار شخص کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں چھلک پڑتیں اور ان کے دل لخت لخت ہونے لگتے ہیں، وہ کسی بھی آنکھ میں نمی کو دیکھ ہی نہیں سکتے، خواہ وہ ان کے اپنوں کی آنکھیں ہوں یا اجنبی کی، وہ ایسے لوگوں کی دادرسی کے لیے اپنی ہر طرح کی صلاحیت کو بروئے کار لانے میں فخر محسوس کرتے اور ان کا دل خدمتِ خلق سے ایک قسم کی روحانی خوشی اور اندرونی آسودگی پاتا ہے۔

ویسے تو ہر دور میں اِن شعبوں میں سے کسی ایک کے ماہرین پائے جاتے رہے ہیں، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیوں کو ان تمام اوصاف کا جامع بنا کر بھیجتا تھا، وہ اپنے وقت میں سب سے بڑے مفکر، سب سے بڑے عالم، سب سے زیادہ اپنے معبود کی عبادت میں جھکنے والے اور سب سے زیادہ با اخلاق ہوا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ نبی پاک ﷺ پر ختم ہو گیا، آپ ﷺ کو اللہ نے آخری نبی بنا کر بھیجا تھا؛ اس لیے بھی آپ کے اندر تمام تر اوصافِ عالیہ کو بدرجۂ اتم جمع فرما دیا تھا، خواہ وہ فکر ونظر سے تعلق رکھنے والے ہوں یا علم وفن سے یا عبادت وریاضت اور معرفتِ خداوندی سے یا حسنِ اخلاق واطوار سے، آپ نے رسمی طور پر کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلمِ قدس (جبریلِ امین) کی ہم نشینی حاصل رہی اور حق تعالیٰ نے ان کے واسطے سے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کو تمام تر علوم وفنون کا گنجینہ بنا دیا تھا، آپؐ اپنے رب کے سب سے محبوب اور عزیز ترین بندے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے تمام تر گناہوں کو بخش دیا تھا، مگر اس کے باوجود شب وروز بارگاہِ رب العزت میں گرم گرم آنسوؤں کے نذرانے پیش کرنا اور اپنی معمولی لغزشوں سے بھی توبہ کرنا آپؐ کا معمول تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت ہی نہیں، ساری انسانیت کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے؛ اس لیے آپؐ کے دل میں

ساری دنیا کے لیے خاص رحمت، رأفت اور مودت ودیعت کردی گئی تھی، عملی طور پر بے شمار ایسے مواقع آئے جہاں آپؐ نے اس کا لاثانی ولازوال نمونہ پیش کیا، حتی کہ آپؐ نے اپنی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ایک مقصد اخلاقِ حسنہ کی تکمیل وتتمیم کو بھی قرار دیا، پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی امت میں بھی مسلسل ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اپنی خصوصیتوں کی دھاک ایک زمانے پر بٹھائی اور جن کے گونا گوں محاسن اور کمالات کا اعتراف ایک جہان نے کیا، یہ سلسلہ آپ کے خلفائے راشدین سے لے کر، تابعین اور تبع تابعین اور پھر بعد کے اہلِ فکر ونظر اور علم وعمل تک دراز ہے، اس میں زمان ومکان کی بھی کوئی تحدید نہیں؛ چنانچہ اگر ایک زمانے میں سرزمین حجاز اور پھر بصرہ ، کوفہ ، بغداد، دمشق، قاہرہ اور اندلس کی سرزمین نے اسلامی تاریخ کو روشنی وتابنا کی عطا کرنے کا کام کیا، تو اٹھارہویں صدی کے شروع سے ہی ہندوستان کی سرزمین کو بھی یہ فخر حاصل رہا کہ اس کی آغوش سے ایسے لوگ جنم لینے لگے، جن کی یکتائیِ فکر اور نگاہِ دوررس کی طرف زمانے بھر کی نگاہیں اٹھنے لگیں، مجدد الفِ ثانیؒ اور ان کی اولاد واحفاد اور خلفاء، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کا پورا خانوادہ اور ان کے بعد مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندانِ عالی تبار نے سرزمینِ ہند اور پوری اسلامی دنیا میں اپنے تبحر علمی وفکری، اسلامی روح کی بیداری، اسلامی معاشرے کی اصلاح وتہذیب کے حوالے سے انفرادی کارنامے انجام دیئے، اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں جب اپنی مکارانہ تدبیروں اور عیارانہ چالوں کی بدولت برطانوی سامراج نے سرزمینِ ہند پر اپنے پنجے گاڑ دیے اور اس نے یکے بعد دیگرے یہاں کے علمی اداروں، تہذیبی شناخت و نشانات اور معاشی ذخائر پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا، تو ہندوستانیوں کی قوتِ مزاحمت بیدار ہوئی اور انھوں نے یہ تہیہ کرکے میدانِ کارزار میں قدم رکھ دیا کہ وطنِ عزیز کو پنجۂ

استبداد واستحصال سے استخلاص عطا کر کے دم لینا ہے اور بالآخر ایک طویل جدو جہد کے بعد وہ اپنے اس ہدف میں کامیاب بھی ہوئے اور ملک کو آزادی بھی نصیب ہو کر رہی۔

آزادی کی اس جنگ میں مسلمانوں نے بھی آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت و سیادت سے سب زیادہ نقصان انہی کو پہنچا تھا؛ کیوں کہ ان سے پہلے یہاں کے حکمراں وہی تھے اور انہی کی شوکت وعظمت کا طوطی بول رہا تھا، اس قافلۂ جہد واجتہاد کی داستانِ سرفروشی تو تبھی سے شروع ہوتی ہے، جب انگریزوں کے ناپاک عزائم ظاہر ہونے لگے تھے اور بظاہر تجارتی مقاصد کے ساتھ آنے والے لوگ یہاں کے حکمراں بن بیٹھے تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی اولاد نے اس سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، پھر سید احمد شہیدؒ نے اس چراغ کی لَو کو تیزی وتندی بخشنے کا کام کیا تھا۔

انیسویں صدی کے وسط میں اسی ولی اللہی سلسلے سے نسبت رکھنے والے چند جاں بازوں کی ایک جماعت تیار ہوئی اور اس نے انگریزوں سے دو بدو ہو کر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا، شاملی کے میدان میں ہونے والی یہ جنگ تاریخِ آزادی میں ''ٹرننگ پوائنٹ'' کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں بظاہر سرفروشانِ وطن کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں ان انگریزوں سے نمٹنے کی ایک ایسی راہ سجھائی کہ وہ منزل رسا بھی ثابت ہوئی اور مؤثر ترین بھی، اس سے وطن کی آزادی کے لیے مر مٹنے والے جاں نثار جیالوں کے جنم لینے اور ابھرنے کا بھی امکان پیدا ہوا اور ہندوستان کی اسلامی، علمی وتہذیبی شناخت کی محافظت کی سبیل بھی، امام نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان کے ساتھیوں نے باہمی تبادلۂ خیالات اور مشوروں کے بعد یہ طے کیا کہ ہندوستان بھر میں دینی مدارس و مراکز کا ایسا جال بچھا دیا جائے، جو مسلم بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا بھی ذریعہ ثابت ہوں اور ان میں انگریزی قوم، حکومت اور فکر وتہذیب سے لڑنے کی صلاحیت بھی پیدا کی جائے۔

دارالعلوم دیوبند اس سلسلے کی پہلی کڑی تھا اور اس کے بعد لگاتار ایسے دینی مراکز کا ایک لمبا سلسلہ قائم ہوگیا، یہ مراکز صرف دینی تعلیم گاہ نہیں تھے، بلکہ ساتھ ہی انگریزی تہذیب اور حکومت کے خلاف نوجوانوں کی تربیت گاہ بھی تھے، ان اداروں سے جو فضلاء باہر نکل کر آئے وہ ہندوستان میں اسلامی تعلیم وتہذیب کے مبلغ ومروج ہی نہیں تھے؛ بلکہ حکومتِ سامراج کی جورپیشگیوں کے لیے دیوارِ آہنی بھی تھے؛ چنانچہ جب امام نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کا انتقال ہوگیا، تو ان کے شاگردوں اور اخلاف میں ایسی بڑی تعداد جنم لے چکی تھی، جس نے اپنے اسلاف کے نصب العین کو سرآنکھوں پر لیا اور ان کی چھیڑی ہوئی تحریک کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تمام تر فکری وعملی توانائیوں کے ساتھ جٹ گئے، یہ لوگ اپنے بڑوں کی علمی قابلیتوں اور فکری وراثتوں کے بھی امین تھے اور ان کے جذبۂ جہد وجہاد کے رازدار وآئینہ دار بھی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور ان کے ساتھیوں اور شاگردوں کا ایک لمبا قافلہ ہندوستان کے سیاسی منظرنامے پر ابھرا، پھر چراغ سے چراغ جلے اور دیوبند کے گردوپیش سمیت پورے ملک میں دینی تعلیم گاہوں اور فکری تربیت گاہوں سے گوناگوں صلاحیتوں سے لیس فرزندانِ اسلام کے نکلنے اور دین اسلام کی روشنی پھیلانے کا ذریعہ بننے کا ایک زریں سلسلہ قائم ہوگیا۔

دارالعلوم دیوبند نے اپنے قیام سے لے کر تاحال جو خدمات انجام دی ہیں، وہ لازوال ہی نہیں بلکہ تاریخِ ہند میں روشن باب کی بھی حیثیت رکھتی ہیں اور یہی اس کے تمیز وانفرادیت کا شناس نامہ بھی ہیں، علم وفن، فکر ونظر اور جہد وعمل کا کوئی گوشہ اس کی دسترس سے باہر نہیں، ہر دور میں ہر شعبے کے ماہرین اس نے پیدا کیے اور امت اور ملت کی بروقت رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

جنگِ آزادی کی تحریک میں اس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لے

کر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور ان جیسے وطن کے وفا کش سپوتوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جو انگریزی سامراج کے خلاف میدانِ وفا میں کفن بردوش برسرِ پیکار رہے اور بالآخر اسے استخلاص عطا کر کے دم لیا۔

علمِ تفسیر اور اس کے متعلقات کی تحقیق، نشر و اشاعت میں بھی حضرت شیخ الہندؒ، حکیم الامت تھانویؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا حبیب احمد کیرانویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور نہ جانے کتنے ہی اربابِ علم و فضل ہیں، جنھوں نے دیوبند سے خوشہ چینی کرنے کے بعد قرآن اور قرآنیات کی تفہیم و تبلیغ میں اپنی زندگی بسر کی۔

علم حدیث کی خدمت بھی دیوبند کا سرمایۂ امتیاز رہا اور اس نے اس کے ہر گوشے اور شعبے کو موضوعِ تحقیق و تصنیف بنایا، حضرت شیخ الہند اور ان کے شاگردوں میں خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجرِ مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی رحمہم اللہ اور ان جیسے سیکڑوں فضلائے دیوبند کی حدیثی خدمات دیوبند کے کارناموں کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

اصلاح و تصوف بھی دیوبند کا نشانِ امتیاز رہا اور اس شعبے میں اس کے فرزندوں نے بطورِ خاص نمایاں کارنامے انجام دیے، امت کی فکری تربیت و اصلاح اور عملی رہنمائی و حق نمائی کے سلسلے میں دیوبند کا کردار یقیناً لاثانی ہے، اس حوالے سے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، جن کی ہزار سے زائد تصانیف امت کو زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت فراہم کرتیں اور اعمالِ خیر اور نجاتِ دنیوی و اخروی کی راہ بتاتی ہیں اور پھر ان کے ہزاروں اخلاف و مسترشدین، جنھوں نے اپنے اپنے دائرۂ کار میں امت اور

ملت کی دینی تربیت کا فریضہ انجام دیا، وہ سب کے سب اسی دیوبند سے منسوب ہیں۔

ان سب کے علاوہ فقہ، اصول فقہ، ادب وصحافت اور ان کے متعلقات اور دیگر تمام رائج علوم وفنون میں فضلائے دیوبند کے نقوشِ کار انتہائی اُجلے، شفاف اور نمایاں ہیں، آج بھی، جب کہ ہر آن اور ہر لمحہ باطل کی منظّم کوششیں دنیائے اسلام کو متزلزل کیے دے رہی ہیں اور ان کی پوری منصوبہ بندی یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کے دلوں سے روحِ محمدی کو نکال باہر کیا جائے، دیوبند ان کے سامنے سینہ سپر ہوکر کھڑا ہے اور اس کے فرزند مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ساری دنیا میں پھیل کر امت کو باطل قوتوں کی زہرناکی و ہلاکت ناکی سے باخبر کرنے اور ان سے محفوظ رہنے کے قرآنی واسلامی نسخے بتا رہے ہیں۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ بھی اسی علمی، اصلاحی، روحانی، تحریکی و اجتہادی خانوادے کے ایک باوقار، معتبر، اور قابلِ فخر فرزند کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کی تعلیم وتربیت گو براہِ راست دارالعلوم دیوبند میں نہیں ہوئی، مگر آپ کے مربیین واساتذہ کی پوری جماعت اسی ادارے اور اس کے اکابر سے علمی، ذہنی وفکری وابستگی رکھنے والی تھی، جہاں ان کے اساتذہ میں حضرت مولانا شاہ اختر خاں صاحبؒ، مولانا عبد الرحمٰن پشاوریؒ اور مولانا سید طاہر حسن امروہویؒ جیسے جلیل القدر علماء تھے، وہیں قدرت نے آپ کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیعت وارشاد کی بھی توفیق عطا فرمائی، حکیم الاسلام کی ذات کتنی ہمہ جہت، دیدہ ور اور روشن ضمیر تھی، اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں، ہندوستان میں علماء اور اربابِ فضل وکمال کی تاریخ میں حکیم الاسلام کی شخصیت مہرِ عالم تاب کی سی ہے، ان کے ذریعے اگر ایشیاء کے سب سے بڑے علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کے فروغ وارتقاء کا قابلِ رشک کارنامہ انجام پایا، تو وہیں انھوں نے حضرت حکیم الامتؒ کے عرفانی وروحانی علوم اور تحریک کو آگے بڑھانے میں بھی نمایاں رول ادا کیا، حکیم الاسلامؒ

اپنے وقت کے بہت بڑے عالمِ دین، مدبر، منتظم اور مہتمم بھی تھے، سلوک وتصوف کے رمز شناس بھی اور اخلاقِ نبویؐ کی جیتی جاگتی تصویر بھی، شرافتِ نفس، کرامتِ طبع، وجاہتِ ظاہری ومعنوی حکیم الاسلامؒ کا شناس نامہ تھا، ان کے دامن سے وابستہ ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن کی زندگیوں میں اتباعِ سنت کا نور اور انقیادِ شریعت کا وصفِ ممتاز ان ہی کی وجہ سے آیا، حضرت حکیم الاسلامؒ کے ان ہی خوش طالع دست گرفتہ لوگوں میں سے حضرت حکیم محمد اسلام صاحبؒ بھی تھے، حکیم صاحبؒ کا تعلق قاری طیب صاحبؒ سے انتہائی مضبوط اور مخلصانہ تھا، مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے حکیم صاحبؒ پر بھرپور توجہ دی، ان کی صلاحیتوں کو پرکھا اور ان کی علمی وروحانی قابلیتوں کا اندازہ لگایا اور انھیں نہ صرف بیعت فرمایا؛ بلکہ اجازت وخلافت کی گراں بہا دولت سے بھی سرفراز فرمایا، انھوں نے حکیم صاحب کی انتہائی دلچسپی کے ساتھ روحانی تربیت فرمائی اور حکیم صاحب نے بھی ان کی تعلیمات وہدایات کو اپنے اندر جذب کرلیا، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم اور اکابرِ دارالعلوم کی جتنی امتیازی خصوصیات ہیں، وہ حکیم صاحب کی ذات میں رچ بس گئیں، آپ کا علمی سراپا بھی نہایت ہی اعلیٰ تھا، عملی گوشہ بھی انتہائی روشن اور اخلاقی پہلو بھی نہایت منور اور ایمانی جرأت وہمت بھی ان ہی کی طرح قابلِ دیدوداد، آپ نے تازندگی دینی تعلیم کے فروغ کی سرگرم کوششیں کیں، تقریباً ۶۲ سال تک ایک بڑے ادارے کی سربراہی کرتے ہوئے درسِ نظامی کی بیشتر چھوٹی بڑی کتابوں کا درس دیا، آزادی کی جنگ میں بھی عملی طور پر حصہ لیا، خلوص وللّٰہیت کی اعلیٰ مثال قائم کی اور ایک مرکزی دینی ادارے کے سربراہ ہونے کے باوجود اس سے ذاتی فائدہ اٹھانے کو اپنے اوپر حرام سمجھا اور ساری عمر طبابت کرکے اپنے لیے وسائلِ معاش فراہم کرتے رہے، سنتوں کے احیاء، شرعی احکام واخلاق پر عمل آوری اور معرفتِ خداوندی کے لیے اپنے اسلاف کی راہ پر چلتے ہوئے خانقاہی نظام کو بھی زندہ و

تابندہ رکھا اور ہزاروں جرعہ نوشانِ معرفت ان کی بارگاہ سے سیراب ہوئے اور ایک دنیا کو اس کی لذت آشنائی سے ہم کناری حاصل ہوئی، مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ قحط الرجال کے اِس دور میں روایتی نہیں، حقیقی معنوں میں نمونۂ اسلاف تھے اور ان کی زندگی کا گوشہ گوشہ روشن وتاباں تھا، ان کی ہر مجلس اپنے جلو میں نصائح اور شرعی ہدایات کا گنجِ گراں مایہ ہوتی تھیں اور ان کی زبان سے نکلنے والی ہر بات ترجمانِ حق ہوتی تھی، وہ اپنے بڑوں کے تئیں نہ صرف خود انتہائی محترمانہ جذبات رکھتے تھے؛ بلکہ اپنے متعلقین اور شناساؤں میں بھی بڑوں کے احترام وتوقیر کا جذبۂ فراواں پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، وہ ایک باصلاحیت عالمِ دین بھی تھے اور کامیاب مدرس ومعلم بھی، انھوں نے نصف صدی سے بھی زائد تک حدیثِ پاک کی اعلیٰ اور منتہی کتابوں کا درس دیا، جس کی وجہ سے ان کے قول وعمل ہی نہیں، نفس نفس سے سیرتِ نبوی کی جاں افزا خوشبو پھوٹی پڑتی تھی، وہ ایک باکمال مصنف بھی تھے، جن کی تحریروں سے معلومات کی سلسبیل ابلتی اور تحقیقات کے دریا ابلتے ہیں، انھوں نے کم وبیش پندرہ کتابیں لکھیں، جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے موضوع پر انتہائی مکمل بھی ہیں، ہمہ گیر بھی اور قاری کے تسکینِ قلب ودماغ کا سامان بھی، اللہ نے انھیں حکمت وطبابت کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے بھی مالا مال کیا تھا اور روحانی علاج کی مہارتوں سے بھی حظِ وافر عطا کیا تھا، جس طرح ان کے مطب سے ہزاروں بیماروں کو دوائے شفا حاصل ہوتی تھی، اسی طرح ان کے روحانی دواخانے سے بھی مردہ ضمیری وخدا فراموشی کے مریضوں کو نسخہ ہائے کیمیا ملا کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی ذات صارفیت، مادیت اور دنیوی ہنگامہ خیزیوں میں مصروف موجودہ نسل کے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا مرکز ومحور تھی اور اس کا احساس ہر اس شخص کو تھا اور ہے، جس نے ان کی صحبت اٹھائی یا ان سے استفادے کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکیم صاحب میں کمالات، خصوصیات اور امتیازات

کی ایک دنیا بسادی تھی، آپ کی عملی، علمی، سماجی و اصلاحی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی ذات حکیمِ امت علامہ اقبالؒ کے اُس ''مردِ بزرگ'' کا محسوس پیکر تھی، جس کے بارے میں انھوں نے فرمایا ہے:

اس کی نفرت بھی عمیق، اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رفیق
مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محروم نہیں پیرانِ طریق

پیدائش اور خاندان:

حضرت مولانا کی پیدایش ۱۹۱۸ء میں مغربی یوپی کے مشہور انقلابی شہر میرٹھ کے محلّہ بھاٹ واڑہ کے انصاری خاندان میں ہوئی، اس محلے کی غالب اکثریت ہندووں پر مشتمل تھی، مگر آپ کا خاندان انتہائی متدین اور پختہ عقائد کے حامل مسلمانوں پر مشتمل تھا، مولانا کے اہلِ خاندان اپنے اخلاق کی خوبیوں اور علمی جلالت وقدآوری کی وجہ سے اہلِ محلّہ کے مرکزِ توجہ تھے، یہی نہیں؛ بلکہ مولانا کے دادا ابوعلی شیخ (جو شاہ پیر کی پولیس چوکی پر

دیوان تھے) نے اپنی بیٹھک میں ایک مکتب قائم کر رکھا تھا،اس مکتب کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مسلمان بچوں کے علاوہ غیر مسلم بچے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے،اس مکتب کے نصاب میں اردو و فارسی کی بنیادی کتابوں کے علاوہ ناظرہ قرآن کی تعلیم بھی دی جاتی اور ایک پارہ حفظ بھی کرایا جاتا تھا،حکیم صاحب نے اپنے استاذ گرامی قدر مولانا محمد اختر خاں امروہویؒ کی سوانحِ حیات کے اخیر میں ''یادِ ایام'' کے عنوان سے مختصراً اپنا جو سوانحی خاکہ لکھا ہے،اس میں انھوں نے تحریر کیا ہے کہ:

''میرے گھر کے سامنے جو مندر ہے،اس کے پجاری نے بتلایا کہ میں تمھارے باپ کا ساتھی ہوں اور تمھارے دادا ابوعلی بخش سے پڑھا ہوں، مجھے پانچوں کلمے اور تیسواں پارہ قرآن شریف کا یاد ہے اور اس نے ''والشمس وضحٰھا'' پوری سورت اول تا آخر پڑھ کر سنائی۔'' (حیاتِ اختر ص ۸۸)

حکیم صاحب کے دادا کے بھائی بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے،ان کا نام عبدالرحیم تھا اور منشی عبدالرحیم کے نام سے معروف تھے،وہ وکالت کا کام کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے، جب ہندوستان بھر میں بطورِ خاص مسلمانوں میں سے کسی کا وکیل ہونا بڑی بات سمجھی جاتی تھی، حکیم صاحبؒ کی دادی مرحومہ بھی دینیات سے واقف اور ایک انتہائی متدینہ خاتون تھیں، حکیم صاحبؒ کے والد بھی ایک ذی شعور، دین دار اور دینی علوم سے واقف شخص تھے، بقول حکیم صاحب ''کریما، گفتگو نامہ، گلستاں، بوستاں، ترجمۂ قرآن پاک اور فارسی کی دیگر کتب پڑھے ہوئے تھے'' اخلاق اور شرافت بھی ان کی خاندانی خصوصیات تھیں، خاندان کے علاوہ اہلِ محلّہ میں بھی ان کے عمدہ اخلاق و عادات کے چرچے تھے، گزر اوقات کے لیے انھوں نے کپڑے سلنے کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ حکیم صاحب کا نام محمد اسلام انھوں نے ہی رکھا تھا۔

رسمِ بسم اللہ:

حکیم صاحب کی رسمِ بسم اللہ ان کی دادی مرحومہ نے کروائی، جو گھر کی بچیوں کی بھی استانی تھیں، حکیم صاحب نے اپنی مذکورہ سوانح میں لکھا ہے:

''مجھے خوب یاد ہے کہ انھوں نے بسم اللہ کے ساتھ یہ کلمات بھی یاد کرائے تھے: الف سے اللہ کو جان، ب سے بسم اللہ کو پہچان، ت سے تیرا اشارہ بس رسول اللہ، ث سے پائی ہے ثناء، ج سے جانا ہے تجھے، ح سے حافظ ہو گئے پڑھ کے کلام اللہ الخ۔'' (ص:۸۹)

باضابطہ تعلیم کا آغاز:

رسمِ بسم اللہ اور حروف شناسی کے بعد باقاعدہ تعلیم کے لیے آپ کو حافظ بشیر احمد صاحبؒ انچولی والے کے سپرد کر دیا گیا، حافظ بشیر احمد صاحبؒ حافظ ہونے کے علاوہ علوم فارسی اور مشکوۃ تک پڑھے ہوئے تھے، انتہائی نیک صالح اور پاک طینت انسان بھی تھے اور ایک مشفق، نرم خو اور طالب علموں سے ہمدردی رکھنے والے استاذ بھی، حکیم صاحب نے ان کے تقویٰ اور اتباعِ سنت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حافظ بشیر احمد صاحب متقی، پرہیزگار، متبعِ سنت اور محتاط بزرگ تھے، ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے تھے، کسی کے گھر کی روٹی نہیں کھاتے تھے؛ بلکہ اپنے گھر سے دس پندرہ روز کی روٹی لے آتے اور پانی میں بھگو کر تناول فرمایا کرتے تھے۔'' (ایضاً ص۸۹)

حکیم صاحب نے حافظ صاحب کے پاس نورانی قاعدہ، کلام پاک ناظرہ پڑھا اور چند پارے حفظ بھی ان ہی کے پاس کیے۔

مدرسہ امداد الاسلام میں داخلہ:

اس کے بعد آپ کا داخلہ مدرسہ امداد الاسلام ،صدر بازار میرٹھ میں کرا دیا گیا، جہاں شروع سے لے کر درسِ نظامی کی تکمیل تک آپ نے تعلیم حاصل کی ،اس دوران آپ نے متعدد اساتذہ سے استفادہ کیا، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

مولانا عبدالرحمٰن ہزارویؒ، یہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اجلِّ تلامذہ میں سے تھے، علمِ حدیث میں اپنے استاذ کے ہی مانند بڑی گہری نگاہ اور فنی باریکیوں پر بھرپور آگاہی رکھتے تھے، آپ نے ان سے بخاری شریف اور دیگر کتبِ حدیث پڑھیں۔

حضرت مولانا سید طاہر حسن امروہویؒ، دارالعلوم دیوبند کے عہدِ زریں کے فاضل، میرٹھ کے مفتیِ اعظم اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی تقریرِ ترمذی (معارفِ مدنیہ) کے مرتب، ان سے آپ نے صدرا، شمسِ بازغہ اور ہدایہ آخرین پڑھی۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن پشاوریؒ، معقولات میں دسترس رکھتے تھے اور منقولات کے بھی جید فاضل تھے، آپ نے ان سے حمداللہ قاضی، ملا جلال، میر قطبی اور سلم العلوم پڑھی۔

حضرت مولانا محمد اختر خاں صاحبؒ، دارالعلوم دیوبند کے عہدِ اولیں کے فاضل، آپ کی پیدائش تقریباً ۱۲۹۰ھ میں امروہہ ضلع مرادآباد میں ہوئی، آپ کا خاندانی و نسبی تعلق قومِ افغان سے تھا، آپ کے جدِ اعلیٰ سید شاہ خان افغانستان کے علاقۂ سوات کے بونیر سے رامپور منتقل ہو گئے تھے، یہاں نواب احمد علی خاں نواب ریاست رامپور کے عہد میں کوتوالی کے عہدے پر مامور ہوئے، پھر اپنے فرزند محمد شاہ خاں کا رشتہ امروہہ کے روہیلہ خاندان میں کیا، جنھوں نے امروہہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی، مولانا اختر خاں صاحب کی

ابتدائی تعلیم دھولپور میں خلیفہ مراد علی کے پاس ہوئی، جو فارسی کے بے بدل ادیب اور بہت بڑے شاعر بھی تھے، ان کے پاس آپ نے کلام پاک، اردو اور فارسی کی کتبِ درسیہ از خالقِ باری تا گلستاں و بوستاں وسکندر نامہ پڑھیں اور فن شاعری کے مبادی سے شناسائی بھی اُن ہی کے پاس رہ کر حاصل کی، اس کے بعد مولانا شبیر علی امروہویؒ (جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالمِ دین، محدث، فقیہ اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے شاگردِ رشید، صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے اور رؤسائے امروہہ میں ان کا شمار ہوتا تھا) کی خدمت میں رہ کر عربی کی متوسطات کی کتابیں پڑھیں اور سولہ سال کی عمر میں جلالین تک کی کتابیں پڑھ کر علم حدیث کے حصول کے لیے سہارن پور کا رخ کیا، وہاں داخلہ کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا؛ اس لیے دو چار روز وہاں رک کر تبرکاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی خدمت میں رہ کر کچھ حدیثوں کا درس لیا اور پھر دیوبند آ گئے، ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور تین سال زیرِ تعلیم رہ کر ۱۳۱۵ھ میں فراغت حاصل کی، چوٹی کے اصحابِ علم وفضل حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (شیخ الہندؒ کے والد ماجد، دارالعلوم دیوبند کے رکنِ تاسیسی اور عربی و فارسی کے ادیبِ بارع) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (مولانا فضل الرحمٰن کے فرزندِ اکبر، علمِ فقہ میں یدِ طولی رکھنے والے اور دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر مفتی) اور حضرت شیخ الہندؒ جیسے اجلۂ اہلِ علم آپ کے اساتذہ میں ہیں اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ آپ کے رفیقِ درس ہیں، فراغت کے بعد متواتر آٹھ سال تک مطبع مجتبائی میرٹھ میں تصحیحِ کتب کا فریضہ انجام دیا، یہ وہی مطبع ہے جہاں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دس سال تک تصحیحِ کتب کا کام کیا تھا، اس کے بعد مدرسہ امدادالاسلام صدر بازار میرٹھ سے وابستہ ہوئے اور تا زندگی یہیں درس وتدریس کی خدمت انجام دی، علمِ عروض اور شعروشاعری سے بھی خاصی انسیت رکھتے تھے اور متعدد شخصیتوں کی تاریخِ

وفات پر انھوں نے بڑے برمحل اشعار کہے ہیں، آپ کی وفات ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ر فروری ۱۹۴۵ء میں ہوئی اور آپ کے شاگردوں میں (حضرت حکیم صاحب کے علاوہ) مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ، مولانا سید طاہر حسن امروہویؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا عبدالرب نشترؒ، مولانا شبیر ازہر میرٹھیؒ اور مولانا حامد حسن تھانویؒ جیسے باکمال اہلِ علم وفکر شامل ہیں۔

حکیم صاحب کو مولانا سے انتہائی ارادت مندی کا تعلق تھا، آپ نے ان سے درسیات میں تو خاطر خواہ استفادہ کیا ہی، اس کے علاوہ مولانا مرحوم نے حکیم صاحبؒ کی تربیت میں بھی خاصا رول ادا کیا، علمی قابلیت وصلاحیت کے ساتھ صالحیت، اخلاق کی پاکیزگی اور زندگی گزارنے کے انتہائی سلجھے ہوئے اصول حکیم صاحبؒ نے ان ہی سے سیکھے تھے، یہی وجہ ہے کہ حکیم صاحبؒ تازندگی نہ صرف اُن کے اِحسان شناس رہے اور اپنی ہر مجلس میں اُن کا ذکرِ خیر کیا کرتے؛ بلکہ آپ نے باقاعدہ ان کی ایک سوانح ''حیاتِ اختر'' کے نام سے لکھی، اُس میں آپ نے مولانا محمد اختر شاہؒ کے احوالِ زندگی، ان کی تدریسی وتربیتی سرگرمیوں کے ساتھ اپنے ساتھ اُن کے مخلصانہ تعلقات وروابط کو بھی بالتفصیل بیان کیا ہے، حکیم صاحبؒ مسلسل چھ سال مولانا موصوفؒ کی خدمت میں رہے اور ان سے خوب استفادہ کیا، مولانا کو بھی آپ سے غایت درجہ تعلق تھا اور مدرسے کے اوقات کے علاوہ میں بھی وہ حکیم صاحب کو پڑھایا کرتے تھے، حتی کہ دورانِ سفر بھی کتابیں ساتھ رکھتے اور جہاں موقع ملتا، استاذ وشاگرد افادہ واستفادہ میں منہمک ہوجاتے، ایک مرتبہ انھوں نے وفورِ محبت میں حکیم صاحبؒ سے فرمایا:

''اے اسلام! اگر علم گھول کر پلانے والی چیز ہوتی، تو تم کو گھول کر پلا دیتا۔'' (حیاتِ اختر ص۹۱)

کتابوں کے اسباق تقریری طور پر دینے کے علاوہ حکیم صاحب کو لکھ کر بھی دے دیا کرتے تھے، اِسی طرح اکثر عوامی جلسوں میں مولانا اختر شاہ صاحبؒ حکیم صاحب کو اپنے ساتھ لے جاتے، اُنھیں تقریریں لکھ کر دیتے اور ان سے بھی تقریریں کرواتے تھے۔

ان ہی وجوہ کی بنا پر حکیم صاحبؒ مولانا اختر خاں صاحبؒ کے گرویدہ وشیفتہ ہو گئے تھے اور تا زندگی اپنے مشفق استاذ کے ساتھ بیتے ہوئے لمحوں کو نہ صرف ذہن کے نہاں خانے میں محفوظ رکھا؛ بلکہ اکثر و بیشتر اپنے متعلقین اور شاگردوں کے ساتھ ان حسین یادوں کو ''شیئر'' بھی کرتے تھے۔

علم طب کا حصول:

فراغت کے بعد مولانا اختر خاں صاحبؒ کی ہدایت پر حکیم صاحب نے علمِ طب کے حصول کا فیصلہ کیا؛ بلکہ اُنھوں نے بذاتِ خود مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوریؒ سے سفارش کی کہ وہ حکیم صاحب کو علمِ طب پڑھائیں، مولانا اسحاق صاحب اپنے وقت کے ماہر نباض، مشخص طبیب اور باکمال حکیم تو تھے ہی، اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست عالمِ دین بھی تھے، دارالعلوم دیوبند کے اولین فضلاء میں سے تھے، مولد ومنشا تو قصبہ کٹھور تھا، مگر رہایش میرٹھ کے محلّہ خیر نگر میں تھی، فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اصلاح وارشاد کا تعلق تھا اور دارالعلوم دیوبند کی موقر مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے، دارالعلوم سے استفادہ کی نسبت ہونے کی وجہ سے اور اس کی شوریٰ کے رکن ہونے کی وجہ سے اُن کے دل میں دارالعلوم کی بے پناہ محبت کے ساتھ اس کے مسائل ومشکلات پر بھی مستقل فکرمند اور ان سے نمٹنے کے لیے کوشاں رہتے تھے، دارالعلوم میں مقامی مسلمانوں سے غلہ جات کی فراہمی کے لیے ''غلہ اسکیم'' کی شروعات اُنھوں نے ہی کی تھی، اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے ہی

دارالعلوم میں ایک بڑا عوامی جلسہ منعقد کروایا اور اپنے قصبے سے بھاری مقدار میں غلہ پہنچوایا، پھر یہ دارالعلوم کی ایک روایت بن گئی اور اب بھی ہر دو تین سال پر غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد کیا جاتا ہے، جس میں علاقے کے زمیندار اور کسان آتے اور اپنی مقدور کے مطابق دارالعلوم کی غلے کی صورت میں امداد کرتے ہیں، مولانا اسحاق صاحبؒ کے روابط حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بڑے گہرے اور بے تکلفانہ تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ جب بھی میرٹھ تشریف لے جاتے، تو ان ہی کے یہاں قیام پذیر ہوتے تھے، اُنھوں نے اپنی حکیمانہ صلاحیتوں کے ذریعے تو علاقے کے مسلمانوں کی خدمت کی ہی، مگر ان کی خدمات کا ایک روشن عنوان یہ بھی ہے کہ نکاحِ بیوگان، جسے عام طور پر انتہائی معیوب سمجھا جاتا تھا اور اگر کوئی نوجوان لڑکی بیوہ ہوجاتی، تو اس کی زندگی بے چارگی کے عالم میں بسر ہوتی تھی اور اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا، مولانا محمد اسحاق صاحبؒ نے اپنی عالمانہ ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس رسمِ بد کو ختم کرنے اور نبی پاکؐ کی ایک متبرک سنت کو زندہ کرنے کا عزم کیا اور بیواؤں کے نکاح کی علاقائی سطح پر ایک تحریک چھیڑی، اس سلسلے میں باضابطہ اپنے قصبہ کٹھور میں ایک جلسہ منعقد کیا، جس میں بڑے بڑے علماء وفضلاء نے شرکت کی، نکاحِ بیوگان کی اسلام کی نظر میں فضیلت واہمیت پر مؤثر پیرایے میں روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا خاصا مفید اثر مرتب ہوا اور کئی بیوہ عورتوں کا اُسی مجلس میں نکاح ہوا، اُس جلسے کا ایک خاص واقعہ، جس نے حاضرین سمیت ہر اُس شخص کو متاثر کیا، جس کو اس کی خبر ہوئی، یہ تھا کہ بھیڑ میں ایک بچہ کنویں میں گر پڑا، جاہل عوام نے اس سے یہ تاثر لیا کہ بیوہ عورتوں کے نکاح کے لیے منعقد کیا جانے والا یہ جلسہ ہی نحوستوں کا پیش خیمہ تھا، علماء کو اس پر بڑی تشویش ہوئی اور اُنھوں نے بڑے الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اُسے زندہ سلامت کنویں سے باہر نکال دے، اللہ نے اُن صلحائے امت کی دعا سن لی اور وہ بچہ نہ

صرف زندہ کنویں سے باہر نکل آیا؛ بلکہ اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک وہ زندہ رہا، اس کی شادی بھی ہوئی اور اولادیں بھی۔

مولانا اسحاق صاحب کی ولادت ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی اور وفات ۱۹۵۴ء میں ہوئی، آپ کی نمازِ جنازہ دو مرتبہ ہوئی، پہلی مرتبہ محلّہ خیر نگر کی حوض والی مسجد کے باہری احاطے میں اور دوسری مرتبہ ان کے آبائی قصبہ کٹھور میں، پہلی نمازِ جنازہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ نے پڑھائی اور دوسری حضرت شیخ الاسلامؒ نے پڑھائی۔

مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ نے مولانا حکیم محمد اسحاقؒ سے علم طب کی کتابیں باقاعدہ اور سبقاً سبقاً پڑھیں، مسلسل دس سال ان کی خدمت میں رہے اور اس عرصے میں علمِ طب کی معرکۃ الآراء کتابیں میزان الطب، طبِ اکبر، مفرح القلوب، قانونچہ، موجز نفیسی، سدیدی، شرح اسباب، قانونِ شیخ پڑھیں، اس کے علاوہ حکیم محمد اسحاق صاحبؒ حکیم صاحبؒ کو مریضوں کو دیکھنے کے لیے بھی اپنے ساتھ لے جاتے اور مرض شناسی کی تربیت دیتے تھے، پھر جب حکیم صاحبؒ میں حکیمانہ صلاحیتوں کی نشو ونما ہوگئی اور وہ اس فن میں اپنے استاذ کے مانند اُتارو ہوگئے، تو آپ کے استاذِ محترم مریضوں کی خبر گیری کے لیے آپ کو ہی بھیجنے لگے، لگاتار دس سال تک مولانا کی خدمت میں رہنے، ان سے خاطر خواہ استفادہ کرنے اور حقِ شاگردی ادا کرنے کے جذبۂ بے پایاں کی وجہ سے حکیم صاحبؒ نہ صرف اپنے استاذ کی نگاہ میں انتہائی محبوب ومعزز ہوگئے تھے؛ بلکہ ان کی اہلیہ محترمہ بھی اپنے بیٹے کے مانند اُن کو عزیز رکھتی تھیں، ایک مرتبہ اُنھوں نے مولانا محمد اسحاقؒ سے کہا کہ محمد اسلام کو طب کی سند دیدو؛ تاکہ کہیں جاکر کام کرے اور کچھ اسبابِ زندگی حاصل کرے، تو جواب میں مولانا موصوف نے اُن سے فرمایا کہ: ''اے الیاس (ان کے صاحب زادے کا نام تھا) کی ماں! اسے سند کی ضرورت نہیں ہے، ان شاء اللہ ایک دن ایسا

آئے گا کہ یہ خود سند دیا کرے گا‘‘ یہ ایک بظاہر سادہ سا واقعہ ہے، مگر اس سے حکیم صاحبؒ کے تئیں اُن کے جلیل القدر استاذ کے غایت درجہ اعتماد و اعتبار اور اور ان کی اہلیہ کی حکیم صاحبؒ کے تئیں ہمدردی و خلوص اور حکیم صاحبؒ کی صلاحیتوں کے حوالے سے جو کامل اعتماد جھلکتا ہے، اُسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ واقعتاً اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ آیندہ کی زندگی میں حضرت حکیم محمد اسلام انصاریؒ نے نہ صرف درس و تدریس کے ذریعے طالبانِ علومِ نبوت کی ایک بڑی جماعت کو مستفید و مستفیض کیا؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی حکیمانہ صلاحیتوں کے ذریعہ خلقِ خدا کی بے شمار تعداد کے امراض کا مداوا بھی کرتے رہے، جس سے آپ کو معقول، حلال اور پاک آمدنی بھی حاصل ہوتی تھی، اللہ نے آپ کے حوالے سے آپ کے استاذ کی دعا، خواہش اور تمنا کو بکمال و تمام پورا کیا۔ (ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

بیعت و سلوک:

یہ حقیقت ہے کہ ظاہری علم و فضل چاہے جتنا ہو، اگر اس کے ساتھ عمل کی آمیزش نہ ہو، تو وہ جی کا جنجال اور دنیا و آخرت کے لیے وبال بھی بن سکتا ہے، انسانی تاریخ میں کتنے ہی ایسے افراد ہیں، جو اپنے اپنے وقتوں میں میدانِ علم و فضل کے یکتا تھے، مگر عمل کے اعتبار سے اتنے ہی کورے تھے؛ چنانچہ ان کے علم سے نہ تو اُنھیں کوئی فائدہ پہنچا اور نا ہی وہ کسی اور کو فیض پہنچا سکے، آپ کو اپنے اردگرد بھی اور دنیا بھر میں مسلمانوں میں سے ہی ایسے بہت سے لوگ مل جائیں گے، جو علم و کمال کی تمام تر بلندیوں اور عروج کو حاصل کیے ہوتے ہیں، وہ اربابِ علم و دانش میں اپنی علمی کاوشوں اور فکری نکتہ طرازیوں کی بدولت بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور علم و فن اور فکر و تحقیق کی دنیا میں ان کی باتوں کو حرفِ آخر کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، مگر چوں کہ وہ مسلمان خاندان میں پیدا ہونے اور بسا اوقات اسلامی دانش

گاہوں میں پلنے اور تعلیم حاصل کرنے کے باوجود مختلف وجوہ سے فکری کج ادائی اور عملی انحراف اور بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں، اس طرح ان کی تمام صلاحیتیں گو دنیا میں عزت وشہرت و ناموری کے حصول کا بڑا ذریعہ بن جاتی ہیں، مگر اخروی زندگی میں کامیابی کے لیے ان کا کیسۂ عمل یکسر خالی ہوتا ہے، نہ وہ مذہبی عقائد کے تئیں اطمینان بخش حد تک سنجیدہ ہوتے ہیں، نہ شرعی احکام پر عمل ان کے نزدیک کچھ اہمیت رکھتی ہے اور نہ ہی وہ اپنی سماجی زندگی میں اچھے انسان ہونے کا ثبوت فراہم کر پاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے اہلِ علم کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ علوم وفنون میں کمال و براعت کے حصول کے ساتھ اس کی بھی فکر کیا کرتے تھے کہ اپنا تعلق کسی ایسے اللہ کے بندے سے بھی رکھا جائے، جس کا دل یادِ الٰہی سے معمور، جس کی زبان ذکرِ خداوندی سے سرشار اور جس کی نگاہوں میں خلوص وللّٰہیت اور معرفتِ خداوندی کا نور جھلکتا ہو، آخری زمانے میں علمائے دیوبند میں اس کا بہت خاص اہتمام رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے حوالے سے مشہور ہے کہ ایک زمانے میں اس کا دربان بھی ولیِ کامل ہوتا تھا، آج بھی گو پہلے کی طرح نہیں، مگر علمائے دیوبند میں اس کا اہتمام پایا جاتا ہے، نوجوانوں اور تازہ واردانِ بساطِ علم کی عملی وفکری رہنمائی اور اُنھیں اللہ سے جوڑے رکھنے کے لیے اللہ کے ایسے بندوں کی ایک جماعت پائی جاتی ہے، جو بلا اجر محض رضائے الٰہی کی خاطر بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے حرم گامزن کرنے کی تگ ودو میں لگی رہتی ہے۔

ہمارے حضرت حکیم صاحب بھی جب تعلیمی مرحلے سے فارغ ہوگئے، تو اُنھیں اپنے قلب کی صفائی اور باطن کی تجمیل وتحسین کے لیے ایسے خدارسیدہ بندے کی تلاش ہوئی، جن کی نگرانی وہدایت میں راہِ معرفت طے کریں اور اپنی زندگی میں علم وعمل کا توازن برقرار رکھ سکیں؛ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مولانا سید آل حسن صاحبؒ سے بیعت

ہوئے، جو قطبِ میرٹھ سے معروف تھے، نواب آفتاب کی کوٹھی لال کرتی میں رہا کرتے تھے، آپ کا مولد و مدفن دیوبند ہے، بخاری شریف حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھی اور بیعت بھی ان ہی سے ہوئے، شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد پیر فقیر محمد شاہ پنجابی نقشبندیؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے، حکیم صاحبؒ کا مولانا سید آل حسن صاحبؒ سے ارادت مندانہ تعلق تھا اور سب سے پہلے آپ کو اجازت و خلافت بھی ان ہی سے حاصل ہوئی، ان کے بعد جامعِ شریعت و طریقت حضرت مستری احمد حسن صاحبؒ سے بیعت ہوئے، جو قطبِ ارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیمؒ کے خلیفہ و مجاز تھے، انھوں نے مسلسل ۱۰ سالوں تک حضرت رائے پوری کی خدمت کی تھی، اتنی لمبی صحبت نے انھیں کندن بنا دیا تھا، وہ اکثر اپنے متعلقین اور مریدوں سے ملاقات کی غرض سے میرٹھ تشریف لایا کرتے تھے، ایک سفر میں حکیم صاحب نے ان سے بیعت کی درخواست کی اور انھوں نے بھی فوراً اس درخواست کو قبول کرلیا، اتنا ہی نہیں، جب انھیں محسوس ہوا کہ حکیم صاحب کی ذات میں قبول حق کا بے پناہ جوہر پوشیدہ ہے، تو آپ کو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں لے گئے، وہاں پہنچ کر حضرت سے حکیم صاحب کا تعارف کرایا اور ان سے فرمایا کہ میں نے انھیں بیعت کرلیا ہے، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی انھیں اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کرلیں، حضرت رائے پوریؒ نے آپ کو بیعت کرلیا، البتہ دیکھ بھال کی ذمہ داری حضرت مستری احمد حسن صاحبؒ ہی کے سپرد رہی، ان ہی کی نگرانی و ہدایت میں حکیم صاحب کا سفرِ اصلاح جاری رہا، یہاں تک کہ ایک دن مستری صاحبؒ نے میرٹھ کی ایک مجلس میں حکیم صاحب سے فرمایا کہ: ''حکیم صاحب! آپ لوگوں کو توبہ کرادیا کریں اور اللہ کا نام بتلا دیا کریں'' (مشائخِ رائے پور کا اجازت و خلافت دینے کا یہی طریقہ تھا، وہ اس سلسلے میں کوئی تحریر نہیں دیتے تھے) جب حضرت مستری صاحبؒ کا آخری وقت قریب آیا،

تو آپ نے حکیم صاحب کو ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے لے کر دیوبند حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے پاس جاؤ، جب حکیم صاحبؒ حضرت حکیم الاسلامؒ کے یہاں پہنچے اور خط پیش کیا، تو حکیم الاسلامؒ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جب میں میرٹھ آؤں، تو وہیں ملاقات کرنا؛ چنانچہ جب حکیم الاسلامؒ میرٹھ آئے اور مولانا حکیم محمد اسحاقؒ کے مکان میں مقیم تھے، تو اسی دوران آپ نے حکیم صاحب کو بلوایا اور آپ کو تحریری طور پر اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، حکیم صاحب تا زندگی اپنے ان بزرگوں کی عنایات وتوجہات اور مشفقانہ برتاؤ کے نہ صرف تہہِ دل سے معترف رہے؛ بلکہ جلوتاً وخلوتاً ان کے لیے دعائے خیر بھی کرتے رہے، ایسے جلیل القدر اصحابِ معرفت سے خاص تعلق نے حکیم صاحب کو سلوک وتصوف کے شعبے میں ایک خاص قسم کے اختصاص سے نواز دیا تھا، آپ کی زندگی حسنِ اخلاق کا مرقع تو تھی ہی، آپ ہر قدم پر سنتِ نبوی کے اتباع کا بھی مکمل اہتمام فرماتے تھے، ان جلیل القدر بزرگوں کی کریمانہ ومشفقانہ نگاہوں اور دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اپنے وقت میں آپ بھی بڑے جلیل القدر اہل اللہ اور صوفیِ باصفا سمجھے جاتے تھے، آپ کی ذات میں پیشہ ور صوفی سنتوں اور مہنتوں جیسی مصنوعیت اور بناوٹ نام کو نہ تھی؛ بلکہ دین و دنیا میں ہم آہنگی اور توازن کے ساتھ زندگی گزارنا آپ کو پسند تھا، آپ اپنے پیش رووں کی طرح اپنے متعلقین کو عبادات میں حد درجہ تعمق اور غلو پسندی کی بجائے عبادات ومعاملات کو برتنے میں شرعی توازن اور سنتوں کے اتباع کی تلقین کیا کرتے تھے، خود آپ کا طرزِ عمل بھی اس کا بے مثال نمونہ تھا، آپ کے ظاہر وباطن میں اللہ نے بے پناہ یکسانیت رکھی تھی، آپ کی ذات اپنے علاقے میں ہی نہیں؛ بلکہ موجودہ علماء کی جماعت میں بھی اپنے علم وفضل اور تقویٰ کے اعتبار سے مرکزِ ثقل کی حیثیت رکھتی تھی، مگر کبھی بھی نام ونمود اور جھوٹی شہرت کی خواہش نہیں کی اور ہمیشہ اس طرح کی چیزوں سے اجتناب کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ

اکثر و بیشتر بیرونی اسفار اور عوامی بھیڑوں والی جگہوں پر جانے سے سخت احتراز برتتے تھے، آپ کے خلوص وللّٰہیت کے شاہدِ عدل آپ کے خلفاء و مریدین کی وہ جماعت ہے، جس میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے لے کر ملک کے طول وعرض کے بے شمار اہلِ علم و فضل شامل ہیں، حضرت حکیم صاحب جس طرح خود ایک متبعِ سنت اور حد درجہ پابندِ شرع عالم دین تھے، ان کے دل میں تڑپ اور لگن ہوتی تھی کہ ان سے تعلق رکھنے والے متعلقین، مسترشدین، طلباء اور اساتذہ میں وہی رنگ ڈھنگ آجائے۔

جامعہ عربیہ نورالاسلام کی بنا و اہتمام:

یوں تو ہندوستان کی تاریخ میں شمالی ہندوستان کے پورے خطے کو سیاسی اعتبار سے خاصی اہمیت حاصل رہی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہاں کے بچے بچے کا بھی سیاسی شعور حیرت انگیز حد تک بیدار رہا ہے، کسی انگریز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: شمالی ہندوستان کے لوگ جس مہم پر لگ جائیں اور اس کی تکمیل کی ٹھان لیں، تو اسے تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں، خاص طور سے جب اس کا تعلق کسی سیاسی موضوع سے ہو؛ لیکن اس خطے کے کچھ خاص شہر ایسے ہیں جو اپنی انقلاب انگیزی اور اپنے باشندگان کے پختہ شعور اور بیدار ضمیری کے اعتبار سے خاصے اہم رہے ہیں، مغربی یوپی کا شہر میرٹھ بھی ایسے ہی مقام کا نام ہے، جو اپنی امتیازی خصوصیات، شانِ انفرادیت اور جغرافیائی اہمیت کے اعتبار سے عظیم الشان تاریخ کا حامل ہے، ۱۸۵۷ء میں آزادی کی مسلح جد وجہد کا آغاز اسی شہر سے ہوا اور ''انقلاب زندہ باد'' کا پرجوش، ولولہ خیز نعرہ اسی سرزمین سے فضا میں گونجا، جس نے کاروانِ آزادی کو ایک نئے جوش ولولے سے سرشار کر دیا اور اس کی صدائے بازگشت پورے ہندوستان میں سنی گئی، انگریزوں کے جور وستم اور جبر واستبداد کا پیرہن پہلی بار اسی جگہ تار تار ہوا، سامراجی حکومت

کے خلاف بغاوت کا شرارہ اسی شہر میں بیدار ہوا، الغرض اس شہر کو ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں ایک منفرد اور مسلم الثبوت مقام حاصل ہے۔

اس شہر کی دوسری خصوصیت یہاں کی صنعت ہے، مسلسل ترقی پذیر پاور ہینڈلوم اور پارچہ سازی کی صنعت کی وجہ سے یہ شہر ایک انٹرنیشنل تجارتی منڈی شمار کیا جاتا ہے، اگرچہ بنکروں کے کچھ مسائل ہیں، جو صوبائی و مرکزی حکومتوں کی بے توجہی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، مگر ان کے باوجود یہ شہر اور اس کے چند مشہور و مخصوص بازار اس صنعت کے لیے مخصوص ہیں اور وہاں لاکھوں کروڑوں روپے کی بزنس روزانہ کے حساب سے ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی اس شہر میں متعدد صنعتیں ہیں، جن سے حکومت کو بڑی آمدنی ہوتی ہے۔

اس شہر کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ علم و فضل کے میدان میں بھی قدیم عہد سے مشہور و معروف رہا ہے، صدیوں سے علماء، صلحاء اور اربابِ دانش و حکمت کے گہوارے کی حیثیت سے اسے ایک خاص اور متمیز شناخت حاصل رہی ہے، حضرت مولانا عبدالسمیع بیدل (جو اردو زبان کی ابجد شناسی کے اعتبار سے مشہور ترین کتاب حمدِ باری اور خالقِ باری کے مصنف اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ و مجاز تھے) سے لے کر حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوریؒ تک اس کی علمی تاریخ انتہائی روشن اور تاب ناک رہی ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مہاجرِ مدنی حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ اپنی محدثانہ اور فقیہانہ شان کے ساتھ پوری دنیائے اسلام میں خورشیدِ جہاں تاب بن کر چمکے اور ان کے دم سے اس شہر کی شہرت کو عالم گیریت حاصل ہوئی۔

اسی شہر کے برادرانِ انصار کے چند نامور اشخاص نے ۱۹۱۸ء میں دینی تعلیم کے لیے ایک مکتب کی بنیاد رکھی تھی، جس میں ایک عرصے تک قصبہ انچولی کے صاحب نسبت و کرامت بزرگ اور جید حافظِ قرآن حضرت قاری بشیر احمد صاحب تدریسی خدمات انجام

دیتے اور نونہالانِ اسلام کو حفظِ قرآن کی دولت سے سرفراز کرتے رہے، انھوں نے کثیر تعداد میں ایسے حفاظِ قرآن تیار فرمائے، جن میں کئی ایک اب بھی موجود ہیں اور اس میدان کے شہ سوار مانے جاتے ہیں۔

چوں کہ اس مکتب کی بنیاد انتہائی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ رکھی گئی تھی؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مستقبل میں ایک بڑے دارالعلوم کی شکل میں بدل دیا اور اس کے لیے سبب اور ذریعہ کے طور پر حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کا انتخاب کیا، جب آپ اپنے تعلیمی مرحلے سے فارغ ہوگئے، تو حضرت قاری بشیر احمد صاحبؒ نے (جو حکیم صاحب کے بچپن کے استاذ بھی تھے) آپ سے فرمایا کہ یہ مکتب آپ کے آباء واجداد کی امانت ہے اور گو اس کی موجودہ حالت خستہ اور ناگفتہ بہ ہے، لیکن اگر آپ اس کے انتظامی امور کو سنبھال لیں اور دین کی خدمت کی نیت سے اس مکتب سے وابستہ ہوجائیں تو یہ مکتب ان شاء اللہ خوب ترقی کرے گا، حکیم صاحب نے اپنے گرامی قدر استاذ کے حکم کی تعمیل میں اس مدرسے کی گویا تاسیسِ نو رکھی جس کا نام نورالاسلام رکھا گیا، شہر کے چند معزز حضرات کو اپنا معاون ومشیر مقرر کیا، جن میں سے چند خاص نام یہ ہیں: حاجی صدیق مدار پوریہ، حاجی حکیم الدین چپک، حاجی عبدالصمد ٹکڑ، اور ملا جی عبدالمجید کانٹی والے، حافظ ریاض الدین ہٹوا والے، حاجی عبدالحکیم قاہرہ والے وغیرہ تھے، آپ کے اس ادارے کی ذمے داری سنبھالنے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے اس مدرسے نے جو ترقی وعروج حاصل کیا، اس نے علاقے ہی نہیں، ہندوستان بھر کے طالبان علوم کو اس مدرسے کی طرف متوجہ کردیا، حکیم صاحب کے جہدِ پیہم، جاں فشانی اور خلوص وللّٰہیت کی بدولت رفتہ رفتہ وہ مکتب ایک دارالعلوم میں تبدیل ہوگیا اور وقت کے بڑے بڑے اصحابِ علم وفضل بھی اس کے طریقۂ تعلیم اور نظامِ تربیت کی سراہنا کرنے لگے۔ ۱۹۵۰ء میں اس مدرسے میں باقاعدہ عربی درجات کا آغاز ہوا، حکیم صاحب

انتظامی ذمے داریوں کے ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے، پھر طلبہ کے رجوعِ عام اور مدرسے کے کامیاب نظام تعلیم کو دیکھتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں باقاعدہ دورۂ حدیث شریف کا آغاز کر دیا گیا اور حکیم صاحب کی حیات سے لے کر اب تک اپنے خاص امتیازات وخصوصیات کے ساتھ جاری وساری ہے۔

اوّل شیخ الحدیث:

حضرت حکیم صاحب کی نظرِ عمیق شیخ الحدیث کے عہدے کے لیے حضرت مولانا لائق علیؒ پر پڑی، جو ایک جلیل القدر عالمِ دین اور حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے رفیقِ درس تھے، اکثر وبیشتر حضرت مفتی صاحب تصویب وتایید کے لیے اپنا فتویٰ پہلے مولانا لائق علی ہی کے پاس بھیجتے تھے، انہوں نے جامعہ میں کم وبیش بیس سال تک بخاری ومسلم کا قابلِ رشک درس دیا، مولانا سید لائق علیؒ نہ صرف ایک عالمِ باعمل اور محدثِ کبیر تھے؛ بلکہ دیگر گوناگوں اوصاف اور خوبیوں کا مرقع ہونے کے ساتھ ایک انتہائی بے باک اور نڈر مقرر بھی تھے، ۷۷-۱۹۷۶ء میں جب پورا ملک حکومت کی جبریہ نسبندی کی پالیسی سے پریشان تھا اور اکثر وبیشتر علمائے کرام نے بھی حکومت وقت کی پالیسی اور مصالح کے پیشِ نظر سکوت فرمالیا تھا، اس وقت شہر میرٹھ کے ایک اجلاسِ عام میں نسبندی کی حرمت کا فتویٰ دے کر حضرت مولانا لائق علیؒ نے ایک طرف "کلمة حق عند سلطان جائر" بولنے کا فریضہ انجام دیا، تو دوسری جانب لاکھوں کروڑوں افراد کو انگشت بدنداں کر دیا اور اس سلسلے میں ایک کتاب "ضبطِ تولید" لکھ کر اپنے مسلکِ حق کا کھلے عام اظہار فرمایا۔ استقلال و استقامت اور محبت واخلاص کے اس پیکرِ باکمال اور مردِ مجاہد نے ۱۳/ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۳/ مارچ ۱۹۷۸ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اللهم اغفر له

اکابر کی توجہات:

جامعہ نورالاسلام کو اکابرِ وقت اور اربابِ فضل وکمال کی خاص توجہات وعنایات بھی حاصل رہی ہیں اور انھوں نے بھی اس مدرسے کی مقبولیت وشہرت میں چار چاند لگانے کا کام کیا ہے، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، علامہ رفیق احمد صاحبؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ، مولانا محمد اللہ مظاہریؒ، قاری محمد صدیق باندویؒ، مولانا سید اسعد مدنیؒ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مفتی مظفر حسینؒ، قاری فتح محمد صاحبؒ پانی پتی، مولانا عبداللہ مدنیؒ، جیسے اساطینِ علم وکمال اور موجودہ اکابر میں سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا محمد یونس مظاہری شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا سلمان مظاہری ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا سلمان حسینی ندوی، قاری محمد عثمان منصور پوری، مولانا محمد شاہد سہارنپوری، حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی، مولانا غلام محمد وستانوی، مفتی سعید احمد پالنپوری، وغیرہ کی خصوصی توجہ، نگرانی اور دعائیں اس مدرسے کو حاصل رہیں اور ہیں، یہ تمام اکابر مرحومین کی طرح نہ صرف اس مدرسے کے سربراہ سے قلبی تعلقات رکھتے ہیں؛ بلکہ وہ جامعہ نورالاسلام کی کارکردگی سے بھی حد درجہ مطمئن اور اس کی ظاہری وباطنی ترقیات کے لیے دعا گو رہتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین، امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، جو اسفار اور اجتماعی جلسوں میں شرکت کے حوالے سے انتہائی محتاط واقع ہوئے تھے، وہ بھی جامعہ نورالاسلام کے ذمے دار اور مدرسین کے حسنِ کارکردگی اور وہاں کے اعلیٰ معیارِ تعلیم وطریقۂ تربیت کو

دیکھتے ہوئے ہر دعوت پر بہ اہتمام مدرسے کے پروگراموں میں شرکت کرتے، انھوں نے ۲۷؍رجب المرجب ۱۳۸۷ھ میں جامعہ نورالاسلام کے دورے کے موقع سے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

''مدرسہ نورالاسلام میں حاضری کا یہ میرا پہلا موقع نہیں ہے، بار بار حاضر ہو چکا ہوں، سابق کی طرح اس بار بھی اس کے سالانہ جلسے میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، مجھے یہ بات کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ مدرسہ ہمہ جہت روز افزوں ترقی کر رہا ہے، نورالاسلام کو شہر میرٹھ میں دینی تعلیم کی شمعِ فروزاں کہا جا سکتا ہے، اس مدرسے سے صرف میرٹھ کے بچے ہی بہرہ ور نہیں ہوتے؛ بلکہ دور دور سے طالبانِ علم نبوی جوق در جوق چلے آرہے ہیں، مدرسہ کی ہمہ گیر ترقی کا راز کار پردازِ مدرسہ بالخصوص مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ ناظم مدرسہ کی انتھک کوششیں اور خدمات ہیں، نیز لائق و فاضل مدرسین، جو اپنے علم و فضل و کمال کے ساتھ طلبہ کے ساتھ بے پناہ جذبۂ خیر خواہی اور علم پژوہی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بقائے علم و عمل کی پوری تاریخ میں غرباء کی کاوش و اخلاص اور امراء کی دولت جب بھی صحیح رخ پر رہی ہے، ہمیشہ اس قوم نے ترقی و ارتقاء کی منزلیں بسرعت طے کی ہیں، اس مدرسہ کو دیکھ کر یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے۔''

اسی طرح ۱۵؍شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۱۹۷۴ء کے مدرسہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ نے مدرسے کی تعلیمی و انتظامی خوبیوں کی تعریف اور مدرسے سے اپنی غایتِ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''چوں کہ اب تقریباً ہر سال یہاں حاضری ہوتی ہے؛ اس لیے مدرسہ کے حالات سے بھی اچھی طرح واقفیت ہو جاتی ہے، ابھی اوائلِ جون میں ایک بڑی مذہبی

کانفرنس میں شرکت کے لیے روس جانا ہوا، تو سمرقند میں امامِ عالی مقام امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسماعیلؒ البخاری کے مزارِ مبارک پر حاضر ہونے کا موقع ملا، نہ صرف موقع ملا؛ بلکہ کم وبیش پورے دن مزار کے قریب مسجد میں اور اس سے متصل میدان و عمارت میں قیام ہوا، مصر، شام اور مراقش کے بڑے بڑے علماء بھی ہم سفر تھے، مدرسہ نورالاسلام سے چوں کہ خاص تعلق ہے؛ اس لیے قدرتی طور پر وہاں مدرسہ نورالاسلام کا خیال آیا۔ دو ہی خیال آئے ایک حضرت الاستاذ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے کمالات اور درسی خصوصیات کا اور دوسرے مدرسہ نورالاسلام کا، اس خیال کو مدرسے کی توسیع و ترقی کے لیے فالِ نیک خیال کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں۔''

حضرت مفتی صاحب کی اس گراں مایہ تحریر سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھیں اس مدرسے سے اور اس کے سربراہ سمیت اس کے تمام اساتذہ وارکان سے کس درجے کا تعلق تھا اور وہ ان سے کس قدر دل کی گہرائی سے محبت کرتے تھے، جو خالص لوجہ اللہ اور مادی اغراض سے قطعاً مبرا ومنزہ تھی۔

اسی طرح مئی ۱۹۸۵ء کی تقریبِ ختم بخاری میں شرکت کے موقع پر دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم جانشینِ حکیم الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے لکھا:

''جامعہ نورالاسلام شاہ پیر میرٹھ اب ضلعی وصوبائی سطح سے ابھر کر ملکی سطح پر ارتقاء کی منزلیں طے کر رہا ہے، جہاں ملک کے مختلف صوبہ جات کے طلبہ بڑی تعداد میں داخل ہیں، مہتمم مدرسہ عالی جناب حکیم محمد اسلام صاحب زید مجدہ (خلیفہ حکیم الاسلام عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ) کی جامع، مؤثر اور مقبول شخصیت نے جامعہ عربیہ نورالاسلام کی مقبولیتِ عام اور تعلیمی معیار کی بلندی میں تاریخی کردار ادا کیا ہے اور کر رہی ہے، ان کے صالحانہ وعالمانہ مزاج نے مدرسہ میں جو تربیتی رنگ پیدا کیا ہے، اس کے

نتیجے میں الحمدللہ محترم اساتذۂ کرام ہر قسم کی نام نہاد اجتماعی مصروفیات سے مجتنب رہ کر ہمہ وقت مصروفِ تدریس ہیں اور اساتذہ کے اس طرزِ عمل نے طلبۂ عزیز میں حصولِ علم کا معتد بہ ذوق پیدا کر دیا ہے، ان اختصاصات کی وجہ سے یہ درس گاہ اس وقت نہ صرف میرٹھ؛ بلکہ پورے یوپی میں ایک مغتنم وموقر درسگاہ کا مقامِ رفیع حاصل کر چکی ہے، جس پر ملک کے ہر خطے کے طلبۂ عزیز کا جوق در جوق شاہدِ عدل ہے۔''

حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور بارہا جامعہ میں تشریف لا چکے ہیں اور حکیم صاحب کی قابلیتوں کے مداح بھی رہے ہیں۔

تعمیری ترقی:

حکیم صاحب کے عرصۂ اہتمام میں جامعہ نورالاسلام نے صرف تعلیمی ترقی ہی نہیں؛ بلکہ اس کے ساتھ اس کی تعمیری ترقیوں کا بھی دور مسلسل جاری رہا، طلبہ کے لیے وسیع و عریض دارالاقامہ تیار کیا گیا، مہمان خانہ بنوایا گیا، مدرسے کا ایک کتب خانہ تعمیر کیا گیا، ان کے علاوہ بھی طلبہ و اساتذہ کی سہولتوں اور انھیں ہر اعتبار سے مطمئن اور تعلیمی و تدریسی اشغال کے لیے فارغ کرنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے گئے، حکیم صاحب چوں کہ طلبہ و اساتذہ کی سہولت اور انھیں ہر ممکن ذہنی اطمینان وسکون فراہم کرنے کے تئیں انتہائی سنجیدہ اور ہر وقت فکر مند رہتے تھے؛ اس لیے آپ نے پوری کوشش کی کہ جامعہ کو جہاں تعلیمی اعتبار سے اعلیٰ معیار فراہم کریں، قابل اساتذہ کو لائیں، وقت کے بڑے بڑے اربابِ علم وفضل کے جامعہ میں دورے کروائیں اور ان سے طلبہ واساتذہ کو استفادہ کا موقع مہیا کریں، وہیں آپ کی یہ کوشش بھی رہی کہ جامعہ ظاہری اعتبار سے بھی جامعہ بن جائے، ہاسٹل سے لے کر کلاس، مطبخ، مہمان خانہ اور دیگر ضروری تعمیرات بھی آپ ہی کی انتھک جدوجہد سے ہوئیں۔

آج یہ مدرسہ اپنی ظاہری ومعنوی خوبیوں کی وجہ سے صحیح معنوں میں ایک عظیم الشان جامعہ میں بدل چکا ہے اور پورے شمالی ہندوستان ہی میں نہیں؛ بلکہ ہندوستان بھر میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے، اعلیٰ تعلیم وتربیت، بہتر انتظام وانصرام، قابل اساتذۂ کرام کی فروانی نے اس مدرسے کو طالبانِ علومِ نبوت کی توجہات کا مرکز بنادیا ہے اور سال بسال یہاں سے کسبِ فیض کرنے والوں میں مسلسل اضافے کا عمل جاری ہے۔

تدریسی خدمات وخصوصیات:

آپ نے اپنی باسٹھ سالہ عملی زندگی میں جہاں جامعہ نورالاسلام کی انتظامی ذمے داریاں باحسنِ وجوہ انجام دیں، وہیں ساتھ ساتھ تدریسی خدمات بھی بڑی خوبی اور مہارت کے ساتھ انجام دیتے رہے، جو موجودہ مدارس کے ماحول کو دیکھتے ہوئے ایک بڑی بات کہی جاسکتی ہے، آج بڑے اداروں سے لے کر چھوٹے مدرسوں یہاں تک کہ مکاتب کے بھی جو منتظم اور سربراہ ہوتے ہیں، وہ یا تو وہ علمی لیاقتوں سے عاری ہوتے ہیں یا اگر ان میں علمی صلاحیت ہوتی ہے، تو وہ درس وتدریس کے لیے مطلوبہ وقت نہیں نکال پاتے؛ لیکن حضرت حکیم صاحبؒ کی زندگی میں یہ دونوں بظاہر متضاد، مگر قابلِ تحسین خوبیاں بتمام وکمال جمع ہوگئی تھیں، گویا آپ کی زندگی ''در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق'' کی محسوس مثال تھی، آپ جامعہ نورالاسلام کے مہتمم بھی تھے اور اس کے باوجود تمام کاروبار خود دیکھتے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ باقاعدہ طلباء کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے جب جامعہ میں عربی درجات کا آغاز کیا، تو تنِ تنہا آپ ہی اس کے استاذ بھی تھے اور منتظم ومہتمم بھی، مگر پھر جب اساتذہ بحال کرلیے گئے، تو بھی اپنے پاس مستقل اسباق کا ایک معتدبہ حصہ رکھتے تھے، آپ نے تازندگی شروع سے لے کر بخاری شریف تک کا درس

دیا، آپ کا طریقۂ درس انتہائی شستہ، سلیس اور طلبہ کے لیے اطمینان بخش ہوتا تھا، سبق کی تقریر ایسی کی جاتی، جو طالبِ علم کے ذہن و دماغ میں پیوست ہو جاتی اور وہ مسئلۂ متعلقہ پر پوری بصیرت حاصل کر لیتا تھا، آخری زمانے میں آپ کے درسِ بخاری کو خاصی شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی تھی، ویسے آپ کا ذوق بھی بڑا محدثانہ تھا، اس کی واضح دلیل آپ کے عورتوں کی مسجد میں حاضری کے تعلق سے لکھے گئے رسالہ ''منع الصالحات عن حضور الجماعات'' اور قراءت خلف الامام پر ''تحفۃ الاسلام'' بھی ہیں، جن میں حدیث کی امہاتِ کتب سے دلائل پیش کر کے مسلکِ احناف کو مؤید و مبرہن کیا ہے، جن خوش قسمتوں کو آپ کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی اور ان میں سے جو بقیدِ حیات ہیں، وہ منہ بھر بھر کے حکیم صاحب کے طرزِ تدریس کی تحسین کرتے اور اس کی خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے اندر علمی کمالات و صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہیں، اس کے ذہن و دماغ میں علمی و فکری نکات کے نگار خانے سمائے ہوئے ہوتے ہیں، اس کا مطالعہ وسیع و عریض اور متنوع علوم و فنون پر اس کی نظر بڑی عمیق ہوتی ہے، مگر جب اسے مسندِ تدریس پر بٹھا دیا جائے، تو وہ اپنے آپ کو اتنا قابل ثابت نہیں کر پاتا، جتنا کہ وہ ہے، مگر حضرت حکیم صاحب اس کے باوجود جامعہ عربیہ نور الاسلام کے تمام تر انتظامی و انصرامی کاروبار کے یکہ و تنہا نگراں تھے، نہ صرف مسلسل مطالعہ و کتب بینی کے ذریعے اپنے علوم و افکار کو جلا بخشتے رہے؛ بلکہ تا حیات درسیات کی ادنیٰ سے اعلیٰ درجے تک کی کتابیں انتہائی کامیابی کے ساتھ پڑھائیں؛ بلکہ ان کی یہ خصوصیت رہی کہ انھوں نے اپنے شاگردوں کو جو کچھ بھی پڑھایا، زندگی بھر کے لیے وہ ان کے ذہن و دماغ میں نقش ہو گیا اور وہ اپنی بعد کی تدریسی و عملی زندگی میں اس سے خاطر خواہ استفادہ کرتے رہے۔

یوں تو حکیم صاحب کو دلچسپی و اشتغال تمام علوم و فنون، بالخصوص علمِ حدیث سے

تھا، مگر فارسی زبان سے بھی ایک خاص انسیت؛ بلکہ عشق ان کے دل میں پایا جاتا تھا؛ چنانچہ ان ہی اوقات میں جب آپ بخاری و مسلم جیسی اعلیٰ درجے کی حدیث کی کتابیں پڑھاتے، فارسی کی بھی منتہی کتابیں ضرور اپنے زیرِ تدریس رکھتے تھے، شیخ سعدیؒ کی گلستاں و بوستاں سے آپ کو خاص مناسبت تھی اور ہمیشہ ان دونوں کو پڑھاتے تھے، آپ کے وہ شاگرد، جنہیں وہ دونوں کتابیں آپ سے پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان کا تاثر ہے کہ حکیم صاحب کو گلستاں کی حکیمانہ و ناصحانہ عبارتیں گویا زبانی یاد تھیں اور بڑے مزے لے لے کر اور انتہائی دلچسپ انداز میں پڑھایا کرتے تھے، اسی طرح بوستاں کے اشعار بھی صفحات کے صفحات زبانی سنا دیتے اور پھر اپنے منفرد انداز میں ان کی توضیح کرتے۔

طلباء کے ساتھ برتاؤ:

آپ نے طلباء کو ہمیشہ اپنی اولاد کے مانند سمجھا؛ بعض دفعہ ان سے بھی بڑھ کر، آپ اپنے طالب علموں سے کس قدر محبت فرماتے تھے اور کتنا عزیز رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی طور پر لگایا جاسکتا ہے، جسے آپ کے شاگردِ رشید اور موجودہ وقت میں جامعہ حمیدیہ پانولی، بھروچ، گجرات کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مظاہری نے اپنے تاثراتی مضمون میں بیان کیا ہے کہ جب انھوں نے اور ان کے کئی ساتھیوں نے جامعہ نورالاسلام میں تعلیم کے بعد مظاہرِ علوم جانے کا فیصلہ کرلیا؛ بلکہ انھوں نے اپنے دوسرے اساتذہ سے مشورہ کے بعد وہاں داخلہ بھی لے لیا اور اس کے بعد اپنے اساتذہ اور مربیِ خاص حضرت حکیم سے ملنے میرٹھ آئے، تو حکیم صاحب پر ان کی جدائیگی کا غیر معمولی تاثر تھا اور جب ان سے ملاقات ہوئی، تو حکیم صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، ظاہر ہے کہ حضرت حکیم صاحب کی آنکھوں کا اپنے چند شاگردوں کی جدائیگی کی وجہ

سے نم ہو جانا ان سے فرطِ محبت ہی کی وجہ سے تھا۔

جب کوئی طالبِ علم بیمار ہوتا، تو آپ اس کے کمرے میں جاتے، اس کی عیادت کرتے اور اگر وہ طالبِ علم نادار ہوتا، تو اس کی مالی اعانت کے ساتھ بالکل مفت علاج بھی کرتے تھے، بعض دفعہ کسی طالبِ علم کو پرہیزی کھانے کی ضرورت ہوتی، تو حکیم صاحب اپنے گھر سے اس کا کھانا جاری فرما دیتے اور اس کی تیمارداری اور علاج و معالجے میں اپنی اولاد جیسی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے، اس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتے، اس کو تسلی دیتے، دوا کے ساتھ دعاؤں سے بھی نوازتے رہتے، یہاں تک کہ اس طالبِ علم کو اپنی بیماری کا احساس بھی نہیں ہوتا اور وہ روبصحت ہو جاتا۔ الغرض حضرت حکیم صاحب اپنے طالب علموں کے لیے ایک مشفق استاذ بھی تھے، ایک مہربان طبیب و معالج بھی اور ایک بہت ہی محبت کرنے والے والد کی بھی حیثیت رکھتے تھے۔

حکمت وطبابت:

حضرت حکیم صاحب کی زندگی کا ایک روشن گوشہ یہ بھی ہے کہ آپ باوجودیکہ جامعہ نورالاسلام کے منتظمِ اعلیٰ تھے اور اس کے تمام تر کاروبار آپ ہی کے ذمے تھے، کبھی بھی آپ نے اس ادارے کو ذاتی منفعت کے لیے استعمال نہیں کیا، مدرسے کی آمدنیوں کی ایک ایک پائی مدرسے کے مفاد میں استعمال کرتے اور اپنی گزراوقات کے لیے آپ نے شاہ گھاسہ پر کرایے کی دوکان میں مطب کھول رکھا تھا، جو آپ کی گزراوقات کا بھی ذریعہ تھا اور خدمتِ خلق کا وسیلہ بھی، جب کہ طلباء وعلماء، ائمہ ومؤذنین اور مدرسین کا علاج مفت اور لوجہ اللہ کیا جاتا تھا، محلے اور شہر کے بیماروں کا بھی آپ کے شفاخانے پر تانتا لگا رہتا تھا اور آپ ان کا علاج بھی بڑی شفقت اور دل چسپی کے ساتھ کرتے تھے اور اگر ان میں سے بھی

کوئی مالی اعتبار سے تنگ دست ہوتا، تو مفت دوا عنایت فرما دیتے۔

آپ کے ہاتھوں میں اللہ نے غیر معمولی افادیت و شفا رکھی تھی؛ اس لیے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم طبقے کے بڑے بڑے اور نمایندہ افراد مستقل آپ ہی سے علاج کراتے اور اپنے مرض کا مداوا پاتے تھے، جن کبارِ اہلِ علم نے آپ کے مطب سے استفادہ کیا ان میں خلیفۂ حضرت تھانویؒ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ اور دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا خورشید عالم وغیرہ کے علاوہ ڈاکٹر آر اے گرگ (پروفیسر میڈیکل کالج) ڈاکٹر آر این پاٹھک، ڈاکٹر محمد زاہد (میڈیکل کالج) جناب امیچن جین (مقیم امریکہ) جناب ارون کمار جین (میئر اول شہر میرٹھ) ریاض الحسن صاحب (کمشنر انکم ٹیکس مغربی زون) اور جناب حاجی محمد ایوب صاحب (سابق میئر شہر میرٹھ جیسے لوگ تھے، حکیم صاحب کی طرف ان کے رجوع کی ایک وجہ تو وہی تھی، جو بیان کی گئی کہ آپ کی تشخیص اور معالجے میں بڑی تاثیر تھی، مگر ایک اور وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے مریض کا علاج کسی پیشہ ور ڈاکٹر کی طرح نہیں؛ بلکہ ایک مخلص اور ہمدرد دوست کی طرح کیا کرتے تھے۔

مطب سے متعلق آپ کی وصیت:

حضرت حکیم مولانا محمد اسلام صاحبؒ تقریباً ساٹھ برس سے زائد تک جس دکان میں بیٹھ کر مطب چلاتے رہے جہاں سے لاکھوں لوگ شفایاب ہوئے وہ دکان کرایے کی تھی، حکیم صاحب نے اپنی حیات میں ہی اپنے ورثاء کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد یہ دکان خالی کر دی جائے اور اس کے مالک کو واپس کر دی جائے، چنانچہ ان کے ورثاء نے ایسا ہی کیا۔

برادرانِ وطن سے تعلقات:

کسی بھی شخص کے اصل مقام و مرتبے کے عرفان کے لیے اس کے متعلقین اور اس کے پاس پڑوس میں رہنے والے لوگ سب سے بہترین کسوٹی ہوتے ہیں، جو لوگ اُس شخص کو ہمیشہ دیکھتے، پرکھتے اور برتتے ہیں، وہی اس کے بارے میں بہترین رائے قائم کر سکتے ہیں، انسان اپنے ذاتی اعمال، عبادات کی کثرت وغیرہ کے اعتبار سے چاہے جس اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہو، لیکن اگر اس کی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں اس سے شناسائی و تعلقات رکھنے والے یا اس کے پڑوس میں رہنے والے لوگ اس سے خوش نہ ہوں، انھیں اس کے اخلاق و معاملات سے شکایت ہو اور وہ اس سے مطمئن نہ ہوں، تو اس کی ذاتی زندگی کی ساری خوبیاں بے معنیٰ سی ہو کر رہ جاتی ہیں، اس کی عبادات، شب بیداری اور سحر خیزی اس کے اندر غرور و عجب جیسی ملعون صفت تو پیدا کر سکتی ہے، مگر اسے عنداللہ و عندالناس وہ محبوبیت و مقبولیت حاصل نہیں ہو سکتی، جو ہونا چاہیے، ہندوستان جیسے غیر مسلم اکثریت والے ملک میں ایک مسلمان بطورِ خاص ایک عالمِ دین کو اخلاقی اعتبار سے مزید بلند و بالا ہونا چاہیے، کیونکہ موجودہ وقت میں اخلاق ہی ایک ایسی چیز ہے، جو ہمارے مخالفین کو بھی ہمارے سامنے خمیدہ سر ہونے پر مجبور کر سکتی ہے، ایسا بہت دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص آپ کا شدید ترین دشمن ہوتا اور آپ کی شکل بھی دیکھنا اسے گوارہ نہیں ہوتا، مگر جب آپ اس سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملتے ہیں اور خندہ جبینی کے ساتھ اس کے احوال دریافت کرتے اور اس کے اعراض و اظہارِ تنفر کے باوجود آپ اس کی مزاج پرسی کرتے رہتے ہیں، تو ایک نہ ایک دن وہ دل سے آپ کا مرید و معتقد ہو جاتا اور اس کے دل میں تنفر و عداوت کے جو بھی احساسات پائے جاتے ہیں، آپ کے رفیقانہ و ہمدردانہ رویے کو دیکھ کر وہ بتدریج زبردست

دوستی اور خیر خواہی کے جذبات میں بدل جاتے ہیں، ہندوستان جیسے ملک میں حسنِ اخلاق اور نرمی کے ذریعے ہزاروں دلوں پر حکومت کر سکتے ہیں، انھیں دینِ اسلام کی طرف راغب کر سکتے ہیں اور ان کے اندر اسلام، قرآن اور اپنے نبی آخر الزماں ﷺ کے حوالے سے وقعت وعزت کا وہ مقام بنا سکتے ہیں، جو ہماری شریعت میں مطلوب ہے، مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاریؒ نہ صرف ایک کامل مردِ مومن اور باکمال عالمِ دین تھے؛ بلکہ آپ کے اخلاق وخصائل میں اسوۂ نبویؐ کی بھرپور جھلک پائی جاتی تھی، حکیم صاحب کا گھرانہ میرٹھ کے ایسے محلے میں واقع تھا، جس میں کثیر تعداد غیر مسلموں پر مشتمل تھی؛ اس لیے آپ کا واسطہ ان سے کافی پڑتا تھا، ہمیشہ آپ ان سے اور دیگر آنے جانے والے اور ملنے والے غیر مسلموں سے بڑی خوش اسلوبی سے ملتے، معاملات کو انتہائی صاف شفاف رکھتے، ملاقات کے وقت آپ کے چہرے پر ایک خاص قسم کی خندیدگی رونما ہوتی، جس سے سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا اور وہ فوراً آپ کا گرویدہ ہوجاتا، آپ نے کبھی بھی اپنوں اور غیروں میں خطِ امتیاز (اس اعتبار سے کہ ہر کوئی انسان ہے) قائم نہیں کیا؛ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب کا ماننے والا آپ کا غایتِ ادب واحترام کرتا اور عقیدت کے ساتھ ملتا تھا۔

فسادات کے موقع پر آپ کا طرزِ عمل اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششیں:

آزادی کے فوراً بعد رواں ہونے والے خوں ریزی کے سیلابِ بلا خیز اور پھر اس کے بعد متواتر اکثریتی طبقے کے جنوں پیشہ افراد کی طرف سے مسلمانوں کی نسلی تطہیر کی کوششوں کے پسِ منظر میں حضرت حکیم صاحب جیسے قلندرانِ خدامست کے اعتماد وتوکل علی اللہ، ہمت وحوصلہ اور جرأت واستقامت نے ہندی مسلمانوں کو ڈھارس بندھانے کا جو

کام کیا، وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، وہ لوگ، جنھوں نے دوقومیت کے نام پر ہندوستانیوں کے دلوں میں زہر گھولنے کا کام کیا تھا اور صدیوں سے ایک ساتھ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ رہتے آنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں میں نظریاتی و مذہبی خلیج پیدا کرنے کا گھناؤنا عمل کیا تھا، وہ تو اپنے تمام تر تعیّشات اور چین و سکون کے ساتھ پاکستان منتقل ہو چکے تھے، مگر جو مسلمان ہندوستان میں بچ رہے تھے، ان کا حال بے حال اور مستقبل انتہائی دھندلا ؛ بلکہ تاریک ہو چکا تھا، انھیں اپنے ہی وطن میں اجنبیت کا احساس کانٹے کی طرح چبھنے اور سانپ بچھوؤں کے مانند ڈسنے لگا تھا، وہ تو مسلمانوں کے حقیقی غم خواروں کی ایک بڑی جماعت اور اکثریتی طبقے کے چند انصاف پسند و انسانیت پرور افراد تھے، جنھوں نے ان کی یاس انگیزی اور احساسِ مظلومی و محرومی کو دور کرنے کا کام کیا اور پھر بتدریج ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات بہت حد تک معمول پر آتے گئے۔

آزادی کے بعد وقتاً فوقتاً ہندوستان کے جن خطوں میں آتشِ فساد بھڑکتی رہی، ان میں میرٹھ کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے، کہ یہ خطہ شروع ہی سے انقلابات اور شورشوں کا مرکز و محور رہا ہے اور یہاں غیر مسلموں کی کثرت بھی ہے، جن میں ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں، جو انتہا پسندانہ خیالات یا فرقہ پرستانہ جذبات رکھتے ہیں، حضرت حکیم صاحب کی زندگی میں میرٹھ میں کئی فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے، ایسے موقع پر آپ کا طرزِ عمل انتہائی محتاط بھی ہوتا اور شرعی احکام کے مطابق بھی، جہاں آپ مظلوم مسلمانوں کی تسلی، خیر خواہی اور دل بستگی کا سامان کرتے، وہیں غیر مسلم برادرانِ وطن کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور یک جہتی کے ساتھ زندگی گزارنے کی بھی تلقین کرتے، صلح و آشتی کے قیام کی تدبیریں کرتے، یہاں تک کہ حکومتی اہل کاروں کو بھی اس سلسلے میں آپ پر کافی اعتماد ہو گیا تھا اور وہ

ایسے موقعوں پر شہر میں سکون وامن کا ماحول بحال کرنے کے سلسلے میں آپ سے بھی ضرور مشورہ لیتے تھے، ایسا بہت مرتبہ ہوا کہ آپ کے حسنِ تدبیر نے بڑے بڑے حادثات ٹال دیئے اور آنے والی آفت آتے آتے رک گئی۔

عام اخلاق وعادات:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان من احبکم الي أحسنکم أخلاقا." یعنی تم میں سے میرے نزدیک سب سے محبوب وہ شخص ہے، جو تم میں سے سب سے زیادہ با اخلاق ہو، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں، جو حضرت عبداللہ بن عمرو سے ہی مروی ہے منقول ہے کہ "تم میں سب سے زیادہ بہترین شخص وہ ہے، جس کے اخلاق تم میں سب سے زیادہ اچھے ہوں" ان احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ انسان کے اپنے معاشرے میں موقر ومحترم اور نیک نام ہونے کا ذریعہ اس کے اچھے اور عمدہ اخلاق ہی ہیں، انسان کے اخلاق جس قدر عمدہ ہوں گے، اسی قدر اسے معاشرے میں عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، ہر نبی اپنے دور میں بنی آدم میں سب سے زیادہ با اخلاق ہوتے تھے اور نبی آخر الزماں کو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا تھا، حلم وبردباری، امانت ودیانت، عفو وکرم اور شرافتِ نفس میں نبوت ملنے سے پہلے بھی انتہائی ممتاز تھے اور بعثت کے بعد تو ان اوصاف میں مزید توسع پیدا ہوگیا تھا، آپؐ کے ان بلند پایہ اخلاق وخصائل کا پرتو کوکبۂ نبوت کے اولین جاں نثار تھے، درس گاہِ نبویؐ کے تلامذۂ سابقین نے مخزنِ ذکر وفکر، منبعِ علم وعشق اور مرکزِ حسنِ اخلاق نبی پاکؐ کی ذات سے بلا واسطہ استفادہ کیا، پھر ان کے بعد کے لوگوں میں بھی اپنی

اپنی وسعت وظرف کے مطابق ان سے بلاواسطہ وبالواسطہ فیض حاصل کرنے اور اپنی دنیاو آخرت کی کامیابی کا سامان کرتے رہنے کا سلسلہ جاری رہا،حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ بھی جہاں علومِ نبوت میں کمال درجے کی صلاحیتوں سے سرفراز تھے،وہیں آپ کے اندر نبوی عادات وخصائل بھی اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ پائے جاتے تھے،آپ کے مزاج میں بڑی لطافت ونفاست تھی اور اس کا اثر آپ کے لباس،نشست وبرخاست، گفتگو اور اصلاحی طریقِ کار پر بھی نمایاں تھا،اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولتِ دین کے ساتھ دنیاوی اعتبار سے بھی ثروت مند بنایا تھا،مگر آپ کے دل میں دنیا سے محبت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا،آپ کے پاس جو کچھ تھا،اسے محض فضلِ الٰہی سمجھتے اور غرباء ومستحقین میں دل کھول کر خرچ کرتے،فطری طور پر آپ کے اخلاق میں نرمی وشستگی پائی جاتی تھی،مگر خاص طور سے اپنے وقت کے بلند پایہ اصحابِ معرفت اور مسندنشینانِ سلوک وتصوف سے تعلق و وابستگی اور ان سے استفادے نے آپ کو مزید خلیق بنادیا تھا،آپ کا طریقِ اصلاح بھی انتہائی دل فریب اور منفرد ہوتا تھا،حدیثِ پاک ”**یسروا ولاتعسروا، بشروا ولا تنفروا**“ کی عملی تصویر پیش کرتے ہوئے آپ طالبین کو ان ہی اعمال واشغال کی تلقین کرتے،جو ان کے بس میں ہوتا اور جنھیں وہ بآسانی انجام دینے کی قدرت رکھتے،اعمال کی کثرت کے بجائے قلیل اعمال پر مداومت برتنا آپ کی ترجیحات میں تھا؛کیوں کہ نبی پاکؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:”**خیر العمل مادیم به وان قل.**“اسی طرح فنِ تصوف کی باریکیوں پر بھی آپ کی نظر بڑی گہری اور وسیع وعریض تھی اور اس حوالے سے آپ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے سلسلے کے شیخِ طریقت تھے،ان ہی کی طرح آپ اپنے مواعظ میں اسرارِ تصوف بیان کرتے اور اس کے غوامض سے بڑی مہارت اور دیدہ وری کے ساتھ پردہ اٹھاتے تھے،آپ کی مجلسوں میں بیٹھنے والے جہاں اصلاحِ باطن کے تیر بہدف نسخے پاتے،وہیں

وہ سلوک ومعرفت کی نئی راہوں سے بھی واقفیت حاصل کرتے تھے۔

آپ کے اندر روایتی علماء یا اہلِ تصوف کی مانند تکلف اور بے جا تصنع اور ریا کاری نام کو نہیں تھی، دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ آپ نے تا زندگی نہایت ہی سادہ اور معمولی لباس زیبِ تن کیا، ہاں اس بات کا خیال ضرور رکھتے کہ لباس اور ہیئت عالمانہ اور باوقار ہو، آپ دنیوی اعتبار سے بھی ایک ثروت مند انسان تھے، مگر مدرسے کا کام ہو یا اپنی ضرورت، ہمیشہ رکشہ سے سفر کرتے یا دور کا سفر ہو تاریل کے ذریعے، نہ کبھی بڑی گاڑیوں میں سفر کی خواہش کی اور نہ ہی اگر کسی نے پیشکش کی، تو اسے قبول کیا، سادہ رہنا اور سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا آپ کو بہت ہی محبوب تھا، اس حوالے سے بھی آپ نبی پاکؐ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے ہوئے تھے، اللہ کے نبیؐ نے یہ دعا کی تھی کہ: ''اللهم احيني مسكيناً، وامتني مسكينا، واحشرني في زمرة المساكين'' چنانچہ ایسے وقت میں بھی، جب کہ دنیا کے بڑے بڑے تاجور اور شہنشاہ آپ کے قدموں میں جھکے پڑے تھے، دنیا کی ہر نعمت آپ کے ایک اشارے پر آپ کی خدمت میں دست بستہ کھڑی ہونے کو تیار تھی، آپ اس حالت میں زندگی گزارتے کہ آج کے بعد کل کی خبر نہیں ہوتی کہ کل کیا کھائیں گے، حکیم صاحبؒ بھی اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی تقلید کرتے اور مالی آسائشوں کے باوجود سادگی اور اختیاری فقر کا نمونہ پیش کرتے۔

البتہ آپ کے اندر نفاست پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، نظافت اور پاکیزگی کا بھی انتہائی حد تک خیال رکھتے تھے، اگر پاس سے کوئی نجس جانور گزرجاتا یا کپڑے پر چھینٹ وغیرہ پڑجاتی، تو فوراً یا تو کپڑے کو صاف کرلیتے یا دوسرا جوڑا زیبِ تن فرماتے۔

آپ کی گفتگو بھی بڑی دل آویز ہوتی تھی، عام طور پر آپ یا تو اللہ اور اللہ والوں

کی باتیں کیا کرتے، اپنے پیرومرشد اور اساتذہ کے تذکرے بڑے مزے سے کرتے، ان کے احوال سناتے اور ان کے کارناموں سے موجودہ نسل کو باخبر کرتے، طلباء کی مجلس ہوتی، تو ان کے سامنے علمی گفتگو فرماتے، جو ان کے علم میں اضافے کا سبب ہوتی، عوام کا مجمع ہوتا، تو اصلاحی موضوعات پر دل چسپ انداز میں گفتگو فرماتے، احباب اور رفقاء سے بھی بڑے وقار اور سنجیدہ انداز میں بات کرتے، آپ کی ہر بات بالکل صاف ہوتی، گول مول اور مبہم گفتگو سے سختی کے ساتھ احتراز کرتے، مصلحت اندیشی کا پہلو بھی ان کے فکر وعمل میں بالکل نہیں پایا جاتا تھا، وہ حق بات کو کسی خارجی سبب سے چھپانے یا توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے قائل نہیں تھے، جو بھی حق ہوتا، حکیم صاحب اسے بڑی صاف گوئی کے ساتھ ظاہر کر دیتے تھے۔

مولانا سید غیاث الحسن مظاہری، جو ایک زمانے میں دہلی سے معروف ماہانہ رسالہ ''دینی مدارس'' کے نام سے نکالا کرتے تھے، انھوں نے ستمبر ۱۹۶۸ء میں جامعہ نورالاسلام میرٹھ کا دورہ کیا تھا، حکیم صاحب سے ملاقات کے بعد انھوں نے اپنے رسالے میں جامعہ اور مہتممِ جامعہ پر اپنے رسالے میں ایک مضمون لکھا تھا، اس میں حکیم صاحب کے حوالے سے انھوں نے جو تحریر لکھی، وہ آپ کے اوصاف وخصوصیات کی سچی تصویر کشی ہے، انھوں نے آپ کے حسنِ اخلاق واطوار، بے تکلفی وسادگی، عجز وانکساری واحباب پروری وخورد نوازی کے حوالے سے لکھا:

''حکیم صاحب زاد مجدہ اپنی عالمانہ صلاحیتوں، حکیمانہ قابلیتوں، مصلحانہ لیاقتوں، مخلصانہ کاوشوں اور اعتبار واعتماد کی اعلیٰ خوبیوں اور فضیلتوں کی وجہ سے بلاشبہ عزت و احترام کے اس بلند مقام کے مستحق ہیں کہ خدام کی ایک جماعت ان کے گردوپیش ہمہ وقت موجود رہے اور جنبشِ ابرو کے منتظر ہوں، وارد وصادر کو حاجب ودربان کے سپرد کر دیا جائے

کہ جس کو چاہیں ملاقات کرائیں اور جس کو نہ چاہیں نہ کرائیں، اگر چہ یہ صورت دنیاوی حکام اور صاحبِ عزو جاہ اُمراء کی ہوتی ہے کہ ان سے ملاقات سے قبل ملاقات کا وقت لیا جاتا ہے، مگر نہیں، اسی آب وگل کی دنیا میں ایسے علماء بھی پائے جاتے ہیں کہ جن کے دولت کدوں پر باقاعدہ حاجب و دربان پائے جاتے ہیں اور ان علماے کرام سے ملاقات کے لیے متعلقہ حضرات کی خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں اور بمشکل تمام دست بوسی کا شرف حاصل ہوتا ہے؛ لیکن یہ سب چیزیں حضرت مولانا حکیم صاحب کے یہاں نہیں ہیں، خانقاہی طرزِ حیات کی چھاپ اور مسلکِ تھانویت کے غلبہ نے انھیں تمام تر تکلفات سے بے نیاز کر دیا ہے، خدمتِ خلق، توکل علی اللہ اور استقامت فی الدین نے ان کے مزاج میں ایک ایسی شانِ استغناء پیدا کر دی ہے کہ وہ صرف دنیا میں اللہ رب العزت سے ہی مرعوب ہیں اور کسی سے نہیں، ان کے مطب میں کوئی وزیرِ مملکت آئے یا کوئی بڑے سے بڑا کروفر والا دنیاوی وجاہت کا انسان ؛ سب کے خیر مقدم کے لیے ان کے لبوں پر ایک ہی جیسی مسکراہٹ ہوتی ہے، بہت معصوم اور دل نواز مسکراہٹ!۔''

(ماہ نامہ دینی مدارس، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۸ء ص ۸-۹)

احباب پروری اور علماء کی خاطر داری:

آپ چوں کہ ایک بڑے عالمِ دین تھے اور ایک بڑے اور مرکزی مدرسے کے مہتمم بھی؛ اس لیے آپ کے متعلقین کی ایک لمبی فہرست تھی، جو ہمیشہ آپ سے ملاقات کی غرض سے جامعہ نورالاسلام کا معاینہ کرنے کے لیے آتے رہتے تھے، حکیم صاحب ان کے ساتھ انتہائی محبت کا معاملہ فرماتے، ان کی خاطر داری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے دیتے اور ان کے ساتھ ایسا خلیقانہ برتاؤ کرتے کہ وہ آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، اسی

طرح آپ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ بڑے بڑے اہلِ علم وفضل جامعہ نورالاسلام میں آتے رہیں اور جامعہ کے طلباء کو ان سے استفادے کا موقع ملتا رہے؛ چنانچہ جب بھی کسی بڑی شخصیت کا میرٹھ سے گزر ہوتا اور آپ کو ان کی آمد کا علم ہوجاتا، تو آپ انھیں اپنے یہاں ضرور مدعو فرماتے اور ان کی اعلیٰ مہمان نوازی کے ساتھ ان سے جامعہ کے طلباء کو مستفید ہونے کا بھی موقع فراہم کرتے۔

دیوبند میں گو کہ آپ نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی، مگر وہ آپ کے قلب و دماغ کی روشنی کا سبب اور آپ کی روح کے سکون وچین کا سامان تھا، دیوبند سے آپ کو ایک خاص انسیت تھی؛ اس لیے بھی کہ آپ کے تقریباً تمام ہی اساتذہ وہیں کے پروردہ و پرداختہ رہے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ آپ کے پیرومرشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اسی دیوبند کے دارالعلوم کے پچاس سال سے بھی زیادہ مہتمم رہے تھے، کوئی بھی طالبِ علم یا عالمِ دین دیوبند سے جاتا، تو حکیم صاحب بڑی دل چسپی کے ساتھ اس سے وہاں کے احوال دریافت کرتے، دارالعلوم اور دارالعلوم وقف کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے، اساتذہ کی خیریت دریافت کرتے اور جہاں وہاں کے حوالے سے اچھی خبریں سن کر انھیں قلبی سکون واطمینان حاصل ہوتا، وہیں اگر وہاں کوئی ناگفتہ بہ واقعہ رونما ہوجاتا اور اس کی انھیں خبر لگ جاتی، تو آپ کو دلی طور پر سخت کرب پہنچتا اور بہتریِ احوال کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوجاتے۔

سیاسی رجحانات، جنگِ آزادی میں شرکت:

حکیم صاحب یوں تو عملاً ایک علمی آدمی تھے، آپ کی سرگرمیاں زیادہ تر درس و تدریس تک محدود رہتی تھیں، یا پھر اپنے متعلقین ووابستگان کی اصلاح اور جامعہ نورالاسلام

کے انتظامی امور تک؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ملک کی معاصر سیاست سے بھی باخبر تھے، جس وقت آپ کی فراغت ہوئی اور آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، اس وقت سارے ہندوستان میں آزادیِ وطن کی تحریک شعلہ بداماں تھی، ملک بھر میں فدائیانِ آزادی کا جوش و جذبہ دیدنی تھا، ہر گوشے میں انگریزوں کے خلاف نعروں اور ہندوستان سے ان کے خاتمہ بالخیر یا بالجبر کی پلاننگ زوروں پر تھی اور تقریباً دوسو سال قبل اپنا سفرِ جدوجہد شروع کرنے والا کاروانِ آزادی قریب تھا کہ منزل تک پہنچ جائے، ظاہر ہے کہ آپ اُس وقت نوجوان تھے، آپ کا خون تازہ تھا اور حوصلوں، امنگوں اور ہمت و جرأت کی دنیا بالکل آباد تھی اور پھر آپ جس حلقۂ اہلِ علم سے تعلق رکھتے تھے، اس کے تمام تر قائدین تحریکِ آزادی کے سرگرم ارکان میں شمار ہوتے تھے، تو پھر آپ کس طرح اپنے آپ کو اس سے الگ رکھ سکتے تھے؛ چنانچہ آپ کے دل میں بھی شرارۂ آزادی بیدار ہوا اور عملی طور پر جدوجہدِ آزادی میں شرکت کی ٹھان لی، ۱۹۴۴ء میں اپنے ساتھ جاں بازوں کی ایک جماعت تیار کی اور باؤنڈری روڈ میرٹھ کے مرکزی ڈاکخانہ اور ٹاؤن ہال، جو انگریزی افواج کے گڑھ تھے انھیں نذرِ آتش کرنے کے لیے نکل پڑے، جب وہاں شیدائیانِ آزادی کی یہ جماعت پہنچی، تو سامراجی فوج بھی چوکنا ہوگئی، لاٹھی چارج کیے گئے اور آنسو گیس کے گولے چھوڑے گئے، جس میں آپ کے متعدد ساتھیوں کو شدید زخم لگے، اسی طرح ۱۹۴۶ء میں مسلمان جنرل شاہ نواز کو جب انگریزوں نے گرفتار کرلیا، تو ان کی رہائی کے لیے جامع مسجد میرٹھ سے ایک منظّم جلوس نکالا گیا، اس کی تمام تر باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی، جلوس ابھی نکلا ہی تھا کہ مقامی کلکٹر ہرنام سنگھ نے جلوس پر گولی باری کی، جس میں آپ کے ایک ساتھی مظہر الاسلام نامی شہید ہوگئے اور حکیم صاحب بھی شدید طور پر زخمی ہوئے؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے اس جلوس کی سربراہی کی اور اپنے وطنِ عزیز کی آزادی کے حوالے

سے اہلِ وطن کے جنوں کو اور تیز و تند کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے عملی طور پر تحریکِ آزادی کی متنوع سرگرمیوں میں حصہ لیا، ہندوستان کی آزادی میں جہاں ان لیڈران اور نمایندگانِ قوم کی قربانیاں شامل ہیں، وہیں حکیم صاحب جیسے بااخلاص اور نیک نیت قائدین کا بھی حصہ ہے، جنھوں نے بغیر کسی نام ونمود کے اس جد وجہد میں حصہ لیا اور اپنے علاقے کے لوگوں کے دلوں میں آزادی کی اہمیت و وقعت جاگزیں کرنے کا کام کیا۔

آزادی کے بعد بھی آپ نے ملک کے مسلمانوں کی خیر خواہی اور وطن میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی و یک جہتی کے قیام و برقراری کی خاطر مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوگئے، آپ کی صلاحیت اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے جمعیت نے آپ کو میرٹھ کا صدر بھی بنایا، آپ کے دورِ صدارت میں ۱۹۶۸ء میں میرٹھ کے بھینسالی میدان میں ایک بہت ہی عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا گیا، اس جلسے میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے کشمیر کے وزیرِ اعلیٰ شیخ عبداللہ کو بلایا گیا تھا، عین جلسے کے دوران کچھ شر پسند افراد کی وجہ سے فرقہ وارانہ فساد برپا ہوگیا، جس نے بہت ہی سنگین شکل اختیار کر لی اور اس فساد میں مدرسہ نورالاسلام کا ایک طالب علم بھی شہید ہوگیا، حکیم صاحب بے چین ہوگئے اور اس طالب علم کی لاش تک پہنچنے کی بہت جد وجہد کی، مگر سرکاری اہل کاروں نے راستہ روک لیا، اتنا ہی نہیں؛ پی اے سی نے آپ کے گھر میں گھس کر بندوق کی بٹ سے سر پر مارا، جس کی وجہ سے آپ کا سر پھٹ گیا اور آپ بے ہوش گئے، ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ حکیم صاحب بھی مر چکے ہیں اور آپ کو لاشوں کے بیچ لے جا کر رکھ دیا گیا، تین روز تک آپ وہیں پڑے رہے؛ لیکن سانس جاری تھی اور آپ کی زبان ذکرِ الٰہی میں مشغول تھی، اہلِ خانہ تلاش کرتے ہوئے آئے اور دیکھا کہ ابھی سانس چل رہی ہے، تو آناً فاناً ہسپتال لے گئے، جہاں تقریباً پندرہ روز کے علاج کے بعد آپ کو ہوش آیا، اس دوران آپ کے تمام متعلقین،

شاگرد اور وابستگان مسلسل آپ کی صحت وسلامتی کے لیے دعائیں کرتے رہے، خاص طور سے آپ کے استاذ گرامی قدر مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوری کی اہلیہ کو آپ کی بہت زیادہ فکر تھی، آپ کے اسپتال میں قیام کے دوران وہ مسلسل وہاں جاتی رہیں اور دعائیں کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مخلص بندوں کی دعائیں سن لیں اور آپ صحت وعافیت کے ساتھ گھر واپس آئے۔

بعد میں جب آپ نے دیکھا کہ جمعیت جیسی ملک گیر مسلم تنظیم، جس پر ہندوستانی مسلمانوں کا سوادِ اعظم اعتماد کرتا رہا ہے، اُس پر سیاسی غرض مندیوں اور ذاتی مفادات کے سیاہ بادل چھاتے جارہے ہیں اور یہ تنظیم اپنے مقاصد اور نصب العین سے بھٹکتی جارہی ہے، تو بڑی خاموشی کے ساتھ اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی، البتہ مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے دکھ درد میں دل سے شریک رہنے اور ان کی بے چینیوں کو محسوس کرکے انھیں دور کرنے کا عمل آپ کی طرف سے اس کے بعد بھی مسلسل جاری رہا۔

آپ اپنی اخیر کی زندگی میں تو سیاسیات سے بالکل ہی کنارہ کش ہوچکے تھے، آپ کو اپنے اردگرد؛ بلکہ ملکی وقومی سیاسیات کی پوری خبر ہوتی تھی، مگر چوں کہ آج کی سیاست کسی مخلصانہ نظریے اور قومی وملی ہمدردی پر مبنی نہیں؛ بلکہ ہر کوئی سیاسی جماعت اور لیڈر اپنے مفادات کے مطابق ہی سیاسی سرگرمیاں انجام دیتا ہے، یہاں تک کہ حالت ایسی دگرگوں ہوچکی ہے کہ بعض اسلامی وملی تنظیمیں بھی اندرونی طور پر ایسی ملعون ومطعون سیاست کی زد میں آچکی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن ان میں انتشار وخلفشار کا ماحول برپا رہتا ہے اور اپنے اپنے حلقے میں بڑے برگزیدہ ومقبول سمجھے جانے والے علماء بھی محض ذاتی اغراض پسندیوں اور مفادات کی وجہ سے ایک دوسرے کو مورد لعنت وملامت بنانے سے بھی نہیں چوکتے، ان ہی حالات کی وجہ سے حکیم صاحب رسمی طور پر نہ تو موجودہ سیاسی سرگرمیوں

میں حصہ لیتے تھے اور نہ ہی اُن ملی تنظیموں کی نام نہاد سماجی و ملی جلسے بازی وغیرہ میں، ہاں اپنے طور پر معاشرے کے ضرورت مندوں کی حاجت برآری جیسا کہ آپ کی عادت تھی تاحیات جاری رکھی اور اس میں کسی بھی قسم کی کمی نہ آنے دی۔

بڑے بڑے سیاسی لیڈران حتی کہ وزراء بھی آپ کے پاس آتے رہتے، مگر آپ ان سے ملاقات تو کرتے اور مہمان ہونے کی وجہ سے ان کی خاطر داری بھی کرتے، مگر ان کے کسی بھی سیاسی مقصد کو پورا کرنے سے شدت سے منع فرما دیتے۔

مجالسِ اصلاح:

اس کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت حکیم صاحب نے تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سید آلِ حسن صاحبؒ قطبِ میرٹھ سے قائم کیا، پھر حضرت مستری احمد حسن صاحبؒ سے قائم کیا، پھر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے اور ان کے بعد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے وابستہ ہوگئے، حکیم الاسلام نے آپ کو بیعت بھی فرمایا اور اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی، ان کی وفات کے بعد آپ طالبین کی کثرتِ رجوع کو دیکھتے ہوئے اور خلقِ خدا کی اصلاح وتربیت کے لیے ایک خانقاہ شروع کی، جس کا نام اپنے پیر ومرشد حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''خانقاہِ طیب'' رکھا اور اس کا باقاعدہ ایک نظامِ عمل مرتب کیا گیا، جس کے مطابق ہی اس کے جملہ امور انجام پاتے تھے، آپ تمام تر سختیوں اور بے جا غلو پسندیوں میں پڑے بغیر معقول اصول وضوابط کے ساتھ مریدوں اور جویانِ حق کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، آپ نے عام آنے جانے والوں کے افادے کے لیے عمومی مجلس کا بھی سلسلہ جاری کر رکھا تھا، جامعہ نورالاسلام کے استاذِ حدیث مولانا عبدالستار احراض نے اس مجلس کی افادیت کے

تعلق سے آپ کے مجموعۂ مواعظ ''تذکیر الاسلام'' (جزءِ اول) کے ''معروضات'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''ماشاء اللہ یہ مجلس نہایت ہی ایمان افروز اور روح پرور ہے، شرکاء کی تعداد ہر آنے والی مجلس میں ماقبل کی مجلس سے فزوں تر ہوتی ہے اور ہر مجلس میں ۳۰ سے ۵۰ افراد شرفِ بیعت حاصل کر کے سلاسلِ طیبہ میں داخل ہوتے ہیں۔'' (ص:۵)

اس اصلاحی مجلس میں انجام پانے والے امور اس طرح ہوتے تھے:

(۱) حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کوئی اصلاحی کتاب پڑھی جاتی۔

(۲) کتاب کی قراءت مکمل ہونے کے بعد حضرت حکیم صاحبؒ سامعین کو اپنی نصیحتوں سے سرفراز فرماتے اور ان کی تربیت فرماتے، عموماً آپ کے مواعظ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اصلاحِ اخلاق و معاملات پر مشتمل ہوتے۔

(۳) پند و نصائح کے بعد حاضرین کو ذکر کی تلقین کی جاتی؛ بلکہ حاضرین کے ساتھ خود بھی ذکر میں مشغول ہو جاتے اور اس طرح پوری مجلس پر ایک خاص قسم کی روحانی کیفیت اور سکینت طاری ہو جاتی۔

(۴) دعا کے ساتھ مجلس کا اختتام ہوتا اور شریک ہونے والا ہر شخص محسوس کرتا کہ اس کا دامنِ مراد بے شمار گہر ہائے آبدار سے بھر دیا گیا ہے۔

اپنی زندگی میں آپ نے ان مجالس کے ذریعے بے شمار بھٹکے ہوئے انسانوں کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیا، ان کے اعمال و عقائد کی اصلاح کی، ان کے دلوں میں محبتِ الٰہی کے چراغ روشن کیے، ان کے قلوب میں اتباعِ نبیؐ کا جذبہ پیدا کیا، انھیں شریعت کی ہدایات و توجیہات سے باخبر کیا، اعمال و عبادات سے لے کر معاشرت و اخلاق تک کے ہر پہلو کے

حوالے سے آپ نے کتاب وسنت کی روشنی میں دین سے ناواقف یا گم کردہ راہ مسلمانوں اور عام انسانوں میں حق نمائی وحق بینی وحق شناسی کی صلاحیت بیدار کی، آپ کی مجالسِ خیر سے استفادہ کر کے بہتوں نے اپنی زندگی سنواری اور سدھاری، ان کی زندگیوں میں ایک خوش گوار انقلاب آیا اور وہ پابندِ شرع ہو گئے، پھر یہ سلسلہ آپ کی وفات کے بعد بھی ختم نہیں ہوا، ان مجالس میں کیے گئے آپ کے مواعظ کو آپ کے لائق شاگرد اور جامعہ نورالاسلام کے استاذِ حدیث مولانا عبدالستار اعراض نے افادۂ عام کے لیے رسالوں کی شکل میں مرتب فرمادیا ہے اور اس طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے زریں اقوال و ہدایات سے استفادے کی راہ آسان ہوگئی ہے، آپ کی وفات کے بعد بھی ان کتابوں کے ذریعے اصلاح وخیر کی جوئے رواں ابل رہی ہے اور طالبین اور اصلاحِ احوال کے خواہاں بندگانِ خدا اپنی مراد پا رہے ہیں۔ (فجزاہ اللہ احسن الجزاء)

آپ کے خلفاء:

یہ ذکر آیا کہ آپ کی خانقاہ سے استفادہ کرنے والوں اور آپ کی مجالسِ اصلاح سے فیض حاصل کرنے والوں کا ایک سلسلہ جاری رہتا تھا، ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے، جو مجلس میں شریک ہوتے اور اصلاح وتربیت کے لالہ وٴ لولو سے اپنے قلب وروح کو معمور کر کے روانہ ہو جاتے تھے، مگر ان میں سے بیشتر ایسے لوگ ہوتے تھے، جو با قاعدہ آپ سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے، جب سے آپ نے خانقاہی نظام شروع کیا تھا، اس وقت سے لے کر دمِ واپسی تک ملک کے طول وعرض کے بڑے بڑے اہلِ علم آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے، ان تمام کے ناموں کا احاطہ تو ممکن نہیں، البتہ ان میں سے نمایاں ناموں کا ذکر بغرضِ افادیت کیا جاتا ہے:

(۱) حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

موصوف نومسلم تھے اور بستی ضلع کے رہنے والے تھے، ان کے دو صاحبزادے بھی ہیں، مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا عبدالعزیز، جو اس وقت مسجدِ نبویؐ میں درسِ قرآن دیتے ہیں، خود مولانا عبداللہ صاحب مدرسہ تاؤلی کے بانی و مہتمم رہے اور ایک عرصے تک مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درسِ حدیث دینے کی سعادت بھی حاصل کی۔

(۲) حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ جو کم و بیش تیس سال تک دارالعلوم دیوبند کے موقر استاذ رہے اور شروع سے بخاری شریف تک کا انتہائی کامیاب اور مقبول درس دیا، ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف کے قیام کے بعد بحیثیت شیخ الحدیث وصدر المدرسین اس سے منسلک ہوئے؛ بلکہ وقف دارالعلوم کے قیام کے محرکوں میں شامل رہے اور تا زندگی مذکورہ عہدوں پر رہتے ہوئے علمِ حدیث کی بے پایاں خدمات انجام دیں، آپ خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے فرزندِ اصغر تھے اور آپ میں اپنے والد کی مانند بلا کی ذہانت پائی جاتی تھی، منفرد اسلوب بیان کے حامل مقرر بھی تھے اور جس مجلس میں پہنچ جاتے، حاضرین پر اپنی شوخی و گل افشانیِ گفتار کی بدولت چھا جاتے تھے، حلقۂ دیوبند میں آپ کا ایک نمایاں امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ کو مبدأ فیاض نے سحر انگیز قوتِ تحریر سے بھی نوازا تھا، آپ کی تحریر میں عجیب قسم کی جادوئی تاثیر پائی جاتی تھی، جو قاری کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی تھی، خاص طور سے شخصیات کی خاکہ نگاری میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، جس شخص پر قلم اٹھاتے، صفحاتِ قرطاس پر اُس کا ایسا کاغذی پیکر تیار کر دیتے تھے، جو اس شخصیت کے محسوس پیکر کی ''نقل مطابقِ اصل'' ہوتا تھا، اس سلسلے کی ان کی کتابیں لالہ و گل، نقشِ دوام اور تذکرۃ الاعزاز خاص شہرت و اہمیت کی حامل ہیں۔

(۳) حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے فرزند، علم حدیث اور زبان وادبِ عربی پر بصیرت مندانہ نگاہ رکھنے والے، ''سیرتِ حلبیہ'' جیسی مہتم بالشان کتاب کے مترجم، انوکھے اندازِ بیان کے حامل مقرر اور دارالعلوم وقف دیوبند کے موجودہ صدر المدرسین اور ناظمِ تعلیمات۔

(۴) حضرت مولانا فریدالدین قاسمی:

مولانا فریدالدین قاسمی دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذِ حدیث و ادب، مؤطا امام محمد کے شارح، نستعلیق مزاج اور شستہ اسلوبِ نگارش و گویائی کے حامل عالمِ دین، سنجیدہ طبیعت، سلجھے ہوئے فکر اور اخلاقی خوبیوں سے مزین ایک بہت ہی اچھے انسان!۔

(۵) مولانا نسیم احمد مظاہری:

مولانا نسیم احمد مظاہری صاحب جامعہ نورالاسلام کے موجودہ شیخ الحدیث، بابصیرت عالمِ دین اور بے پناہ تحریری وتقریری صلاحیتوں سے مالا مال، ہیں ان کا حکیم صاحب سے بے پناہ لگاؤ رہا۔

(۶) مولانا مفتی سید احمد قاسمی (راقم الحروف)

(۷) قاری محمد احمد صاحب:

قاری محمد احمد صاحب راقم الحروف کے بڑے بھائی ہیں اور حکیم محمد اسلام صاحب سے بچپن سے ہی قربت حاصل رہی اور حکیم صاحب سے طب وحکمت بھی سیکھی، اس وقت جامعہ نورالاسلام میرٹھ کے استاذ حفظ وقرأت ہیں۔

(۸) مولانا ابوالکلام صاحب (مبلغ دارالعلوم وقف، دیوبند)

(۹) مولانا عبدالستار احراض:

حضرت مولانا عبدالستار احراض صاحب حضرت حکیم صاحب کے خلیفہ و مجاز ہونے کے ساتھ آپ کے عزیز و شاگردِ رشید، باکمال استاذ اور اپنے باکمال استاذ و مربی کی دل سے قدر کرنے والے اور ان کے علوم و افکار و افادات و مواعظ کی اشاعت میں سرگرم رہنے والے باصفا مرید و معتقد۔ موصوف جامعہ نورالاسلام سے تقریباً چالیس برسوں سے وابستہ ہیں۔

(۱۰) قاری حفظ الرحمٰن (ناظم جامعہ رحیمیہ، پھلت شریف)

(۱۱) قاری عبدالقیوم صاحب:

قاری عبدالقیوم صاحب جامعہ نورالاسلام سے ایک لمبے عرصے سے وابستہ ہیں اور حضرت حکیم صاحب سے بے پناہ محبت کرنے والے ہیں، انہیں حکیم صاحب کی سرپرستی حاصل رہی، جامعہ نورالاسلام میں بحیثیت استاذ حفظ و تجوید خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۱۲) مولانا مسرور احمد مظاہری:

مولانا مسرور احمد مظاہری جامعہ نورالاسلام سے بحیثیت استاذ حدیث وابستہ ہیں، ان کی تدریسی خدمات قابل قدر ہیں۔

(۱۳) مولانا محمد الیاس مظاہری:

جامعہ نورالاسلام کے سابق طالبِ علم اور جامعہ حمیدیہ پانولی ضلع بھروچ کے شیخ الحدیث ہیں۔ موصوف نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں اور صاحب علم و ذوق ہیں۔

(۱۴) مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی:

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی جامعہ نورالاسلام کے طالب علم رہے ہیں اور اس وقت

ملک کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے بانی و مہتمم ہیں۔

(۱۵) مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی:

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے نائب ناظم اور معروف عالم دین ہیں، کئی کتابوں کے مصنف اور مشہور مقرر ہیں۔

(۱۶) مولانا وقاری محمد واصف قاسمی (ولد مولانا خورشید عالم قاسمی، سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف، استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات دارالعلوم وقف، دیوبند)

(۱۷) مفتی محمد عارف قاسمی (ولد مولانا خورشید عالم قاسمی واستاذ دارالعلوم وقف، دیوبند)

(۱۸) مولانا عبدالجبار صاحب:

مولانا عبدالجبار صاحب حضرت حکیم صاحب کے ایک عرصے تک خادم خاص رہے اور ان کی نگرانی میں مطب میں خدمات انجام دیں، وہ اس وقت جامعہ نورالاسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۱۹) مولانا محمد عرفان صاحب:

مولانا محمد عرفان جامعہ نورالاسلام میں استاذ حدیث ہیں، اور جامعہ کی تعلیمی سرگرمیوں سے وابستہ ہوکر حضرت حکیم صاحب کے مشن میں معاونت کررہے ہیں۔

(۲۰) مولانا محمد شمیم صاحب:

مولانا شمیم صاحب فی الوقت جامعہ نورالاسلام میں استاذ ہیں، انہوں نے ایک عرصے تک حضرت حکیم صاحب کے ساتھ مطب میں خدمات انجام دی ہیں۔

(۲۱) مولانا محمد صادق قاسمی:

مولانا محمد صادق قاسمی جامعہ نورالاسلام کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں اور اس وقت

حیدرآباد میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۲۲) مفتی علیم الدین قاسمی:

مفتی علیم الدین قاسمی دارالعلوم دینیہ، مرادآباد کے مہتمم ہیں، حضرت حکیم صاحب سے بے پناہ محبت کرنے والوں میں ہیں۔

(۲۳) مولانا عبدالعزیز صاحب:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب حضرت مولانا عبداللہ مدنی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں جو اس وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس قرآن دیتے ہیں۔

(۲۴) حاجی علاء الدین صاحب: (احمدآباد)

(۲۵) قاری عظیم الدین رحمانی (مسجدِ ہدیٰ بالا کمپاؤنڈ، بھیونڈی)

(۲۶) مولانا محمد عمران صاحب نوری (امام املیان مسجد، میرٹھ)

(۲۷) مولانا قمرالاسلام (استاذ دارالعلوم، دیوبند)

(۲۸) مولانا محمد اشرف (ناظم مدرسہ نورانی، انچولی)

(۲۹) حافظ وقاری انعام الحق صاحبؒ (امام انجمن اسلام، ممبئی وی ٹی)

(۳۰) مولانا عبدالحمید صاحب نوریؒ (امام کنکٹہ والی مسجد، میرٹھ)

(۳۱) حافظ حیدر علی صاحب (مہتمم مدرسہ سراج العلوم، بہیڑہ ضلع سیتامڑھی)

(۳۲) مولانا شفیق الرحمٰن قاسمی (مدرسہ مدنیہ، میرٹھ)

(۳۳) مولانا محمد الیاس صاحب (ماہی گیران، میرٹھ)

(۳۴) مولانا سراج الدین قاسمی (دارالعلوم، دیوبند)

(۳۵) حافظ عبدالعزیزؒ منصوری (گھی والے، میرٹھ)

تصانیف وتالیفات:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے چوں کہ آپ کو انتظامی قابلیتوں کے ساتھ اعلیٰ علمی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور فرمایا تھا اور یہ آپ کی خوش نصیبی تھی کہ اس راہ میں آپ کو شوقِ تحقیق وجستجو کے حصۂ وافر سے ایسے باکمال اور یگانۂ روزگار اساتذہ بھی ملے، جنھوں نے بہ کمالِ عنایت وتوجہ آپ کو تعلیم دی؛ یہی وجہ ہے کہ تا زندگی آپ ایک طرف جامعہ نورالاسلام کی ظاہری ترقی کے لیے کوشاں رہے اور اسے ایک عظیم الشان دارالعلوم میں بدل دیا، ساتھ ساتھ درس وتدریس اور مطالعہ وکتب بینی جیسے خالص علمی اشغال سے بھی پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑے رکھا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر آپ نے اپنے پیچھے مختلف موضوعات پر قیمتی اور گراں مایہ تصنیفات کا ایک معتد بہ ذخیرہ چھوڑا، آپ کی تصنیفات کی تعداد کم وبیش پندرہ ہے اور یہ شخصیات وسوانح سے لے کر علمی وفقہی موضوعات اور مواعظ تک پر مشتمل ہیں، افادۂ عام کے لیے ان میں سے چند کتابوں کے نام اور ان کا اجمالی تعارف بھی پیش کیا جارہا ہے:

(۱) ملتِ اسلام کی محسن شخصیات:

تکمیلِ انسانیت کے لیے اللہ رب العزت کا وہ فطری نظام کہ جو تدریجی رفتار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام کے مقدس واسطوں سے آتا رہا اور انسان کی ترقی پذیر فطرت کے ساتھ مراحلِ ترقی طے کرتا رہا، یہاں تک کہ خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم نبوت کے ساتھ انسانیت نے علمی، فکری اور عملی ترقی کے جملہ مراحل طے کرلئے اور اب وہ اس قابل ہوگئی تھی کہ تکمیلِ انسانیت کے تمام جزو وکل پر محیط اس نظامِ کامل کا تحمل کرسکے، جس کا بے نہایت سرچشمہ صرف قرآنِ کریم ہے اور منبعِ فکر وعمل صرف

سنتِ رسول ﷺ ہے، جس کے حتمی معنیٰ یہ ہیں کہ قرآن کریم سے تعلق میں اضمحلال کا نتیجہ فقدانِ علم ہے اور سنتِ رسول سے ارتباط میں ضعف و کمزوری کا ثمرہ فکرِ سلیم اور عملِ صالح سے محرومی کے سوا کچھ نہیں؛ اس لیے ختم نبوت کے عقلی اور فطری تقاضے کے مطابق بلا فصل ہر دور میں عالمینِ علومِ قرآن اور عاملینِ سنتِ نبویؐ کی معتد بہ تعداد سے ہمیشہ باقی رہنے والی یہ امت نہ ماضی میں محروم رہی اور نہ انشاء اللہ مستقبل میں محروم رہے گی؛ اس لیے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ملتِ اسلام کا سب سے قیمتی سرمایہ درحقیقت یہی سراپا علم و عمل شخصیات ہیں، جو عملاً کتاب وسنت کی علمی مرادات کی صحیح ترجمان بنتی رہی ہیں، وہ بزرگانِ ملت ہیں کہ جن کے ذریعے صاحب ختمِ نبوت کا اسوۂ عمل ہمیشہ امت کی ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے اور وہ بھی پوری صحت مندی واستناد کے ساتھ! قرآن وحدیث کے الفاظ و مرادات کی حفاظت کا ربانی وعدہ ان ہی علماء اور اولیاء کے ذریعے کل بھی پورا ہوا اور آج بھی پورا ہو رہا ہے اور آیندہ بھی تا قیامت یہی لوگ ان کے تحفظ کی ذمے داری ادا کرتے رہیں گے انشاء اللہ، ان ہی حضرات نے ہر محاذ پر کفر وشرک، الحاد و بے دینی اور رسوم و بدعات کے ذریعے اسلام پر زبردست حملوں کا کامیاب دفاع کیا ہے اور دین اسلام کا یہ تحفظ و دفاع عالمِ اسباب میں خاتم الانبیاؐ کا فکرِ سلیم اور اعتقادِ صحیح رکھنے والوں کے لیے انمٹ اور دائمی معجزہ سے کم نہیں ہے اور پھر یہ معجزہ بذاتِ خود اس حقیقت کی جانب مشیر ہے کہ کتاب وسنت کے حقِ صریح کے مدِ مقابل حق ناشناس گمراہیوں کی مختلف اور متعدد راہوں سے حملہ آور ہونے والے گروہ کبھی نہ ختم ہوں گے اور اسی طرح حق کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دینے کے جذبے سے سرشار بندگانِ خدا سے بھی یہ امت کبھی خالی نہیں ہوگی، یہی لوگ ملتِ اسلام کے محسن اشخاص ہیں اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے ہر دور میں عامۃ المسلمین کی تربیت اسلام کے انتہائی معتدل

اور متوسط اصول پر فرمائی، انھوں نے مسلمانوں کو اس راہ کی تلقین کی جو انھیں رہبانیت جیسی تفریطی فکر سے بھی بچاتی ہے اور مادیت و خدا فراموشی اور افراطی خیالِ فاسد سے بھی، آج بھی ایسے باکمال لوگوں کی ایک بڑی جماعت دنیا بھر میں موجود ہے اور ملت اور امت کی صحیح اور بروقت رہبری کا فریضہ انجام دے رہی ہے، ایسے محسنینِ امت کا نہ صرف ذکر کیا جانا چاہیے، بلکہ ان کی زندگیوں کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے سفرِ حیات میں سمت نما کا کام لینا چاہیے۔

حکیم صاحب کی مذکورہ بالا کتاب اسی عظیم اور متبرک مقصد سے لکھی گئی ہے، اس کتاب کی اشاعت پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں جامعہ نورالاسلام کے شعبۂ نشر و اشاعت سے ہوئی تھی، اس کے کل صفحات تین سو ستائیس[۳۲۷] ہیں اور اسلامی تاریخ کی جن عبقری شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی تعداد تقریباً اسّی[۸۰] ہے، پہلی شخصیت جن کو موضوعِ تحریر بنایا گیا ہے، وہ ہزارۂ دوم میں ہندوستان میں تجدیدِ اسلام کی عظیم الشان خدمت انجام دینے والے اور مشہور فتنۂ اکبری کی سرکوبی کرنے والے، جہاں گیر کے شاہانہ کبر و غرور اور جبر و استبداد کے سامنے کھلے عام اعلائے حق کا کلمہ بلند کرنے والے ہندوستان میں سرمایۂ ملت کے عظیم القدر نگہبان حضرت الامام احمد بن عبدالاحد مجدد الفِ ثانیؒ کی ذاتِ گرامی قدر ہے، اصل موضوع سے پہلے حدیثِ تجدید پر محققانہ اور بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے، اس کے بعد امام موصوف کی سوانحِ حیات اور دینی و ملی خدمات کا مختصر، مگر انتہائی جامع اور اطمینان بخش تذکرہ کیا گیا ہے، کتاب میں مذکور آخری شخصیت سرزمین بہار کے مایۂ ناز عالمِ دین، فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کی ذاتِ گرامی ہے، بیچ میں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی جسمانی و روحانی اولاد و اخلاف اور علمائے دیوبند کی ایک بڑی جماعت کا تذکرۂ خیر ہے، پوری کتاب انتہائی دقتِ نظری اور بصیرت مندی کے ساتھ لکھی گئی ہے، ہر شخصیت سے

متعلق واقعات پوری تحقیق کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، حکیم صاحب کے طرزِ تحریر میں اسلام کے ان محسنوں کے تئیں انتہائی عقیدت مندی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور ان کے علوم، افکار اور پیغامات کی ترسیل و تبلیغ کے حوالے سے حکیم صاحب کی قلبی لگن کا بھی، اسلوبِ نگارش بھی عام فہم اور انتہائی شستہ و شایستہ ہے اور اس کی بین شہادت کتاب کی ان تقریظات سے حاصل کی جاسکتی ہے، جو وقت کے کبارِ اہلِ علم وقلم نے لکھی ہیں، کتاب کے مقدمے میں دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب حکیم صاحب کی اس وقیع دینی خدمت کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پیشِ نظر کتاب ''ملتِ اسلام کی محسن شخصیات'' میں مصنفِ کتاب حضرت العلام مولانا حکیم محمد اسلام صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ نورالاسلام، میرٹھ (خلیفہ ومجاز حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے خدمتِ ملت کے مقامِ عظمت اور مجددیت کی وقیع علمی وضاحت کے ساتھ لاتعداد محسنینِ میں ملت میں سے اُن چند تاریخ ساز محسن شخصیات کو منتخب فرمایا ہے کہ جن سے برِصغیر کی ملتِ اسلامیہ ذہنی وابستگی اور قلبی عقیدت مندی کے ساتھ زیادہ مانوس ہے اور حضرت مصنف نے زیادہ سے زیادہ عوامی افادیت کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے ایمان افروز تذکروں کو نہایت سادہ اور انتہائی دل کش طرزِ تحریر میں یکجا فرمادیا ہے، جس کو دیکھ کر یہ عرض کرنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ حضرت مصنف کی سلامتیِ فطرت اور اس تصنیف کے ذریعے عامۃ المسلمین کی مربیانہ خدمت نے ان کو بھی اس زمرۂ محسنین میں شامل فرمادیا ہے، جن کے ذکرِ خیر کو کتابی صورت میں مرتب کرکے حضرت موصوف نے یہ محفلِ علم وعرفان سجائی ہے۔

بارگاہِ رب العزت میں قبولیت کے یقین کے ساتھ راقم الحروف اپنے یہ دعائیہ دو شعر حضرت مصنف مدظلہ کی نذر کرتا ہے:

زندہ ہے اخلاص سے تیری صدائے حق شناس
اس پہ کل شاہد بنیں گے یہ زمین و زمن
ہو رفیقِ زندگی ، توفیقِ حق گوئی سدا
تجھ پہ قرباں تا کہ ہوں دنیا کے تن من اور دھن''

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی، فتاویٰ دارالعلوم کے مرتب اور مشہور اہلِ قلم حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ اپنی تقریظ میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے اور حکیم صاحب کے منفرد اسلوبِ تحریر اور کتاب کی افادیت واہمیت پر فاضلانہ تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس برصغیر میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت میں بڑا حصہ علمائے کرام، مشائخِ عظام اور اولیاء اللہ کا ہے، ان ہی نفوسِ قدسیہ کا صدقہ ہے کہ یہاں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوئی اور یہ ملک مذہبی ملکوں میں نمایاں ہوا اور ملک و ملت کی خدمت انجام پائی، ایک ایک ولی کے ہاتھ ہزاروں انسانوں نے بخوشی اسلام قبول کیا اور توحید کا غلغلہ بلند ہوا، ورنہ اسلام سے پہلے یہاں کوئی نہیں جانتا تھا کہ رواداری و ہمدردی کیا ہے؟ عدل و مساوات کسے کہتے ہیں؟ امن وسلامتی کی کیا قدر و قیمت ہے؟ عفت وعصمت کس کا نام ہے؟ حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کی تمیز، بڑے چھوٹوں کے حقوق کی نشان دہی؛ یہ ساری چیزیں ان ہی اللہ والوں سے یہاں کے عوام وخواص کو حاصل ہوئیں، برصغیر اور دوسرے ممالک پر ان بزرگوں کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ان کو کفر و شرک اور غلط رسموں کی تاریکی سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کیا اور تباہی و بربادی سے بچالیا۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری نے اپنی اس کتاب میں ان ہی اسلاف و اکابر کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی نجی وعوامی زندگی اور خدمات پر روشنی ڈالی ہے، حضرت مجدد

الف ثانی اور ان کے خاندان سے لے کر سیکڑوں علمائے ربانین اور مشائخِ عظام کے حالات زندگی اور ان کے علمی، اصلاحی اور تاریخی کارناموں کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے، حضرت حکیم صاحب نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں بہت کافی محنت اور سعی و کاوش کی ہے... یہ تذکرہ ماشاء اللہ بڑے اچھے اور بہت سلیقہ سے مرتب ہوا ہے، زبان صاف و سلیس اور شگفتہ ہے، ان حالات کے پڑھنے سے دل دماغ روشن ہوتا ہے اور اعمال واخلاق کو توانائی حاصل ہوتی ہے، آدمی تھکتا نہیں ہے، بس دل چاہتا ہے کہ پڑھتا ہی چلا جائے، آدمی ایک روحانی غذا سے آسودہ ہوتا ہے، کتاب پڑھتے ہوئے کبھی آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں، کبھی دل جوش وولولہ سے بھر جاتا ہے اور کہیں رک کر آدمی سوچتا ہے کہ ہمارے اسلاف اور اکابر کی زندگی کتنی مبارک تھیں، انھوں نے کس قدر مخلوقِ خدا کی خدمت کی، ان کے دلوں کو جلا بخشی اور خود کتنے نمایاں کارنامے انجام دیئے اور ہمارے لیے نشانِ راہ چھوڑ گئے، اس دورِ عروج وترقی میں ہر سنجیدہ انسان حیران و پریشان ہے کہ آج نہ امن وسلامتی باقی رہی، نہ صلح وآشتی، ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن ہے، سرمایہ داری اور غربت وافلاس کی باہم جنگ جاری ہے، ہر ایک دوسرے کو کھا جانے پر آمادہ ہے، ذات پات کی عصبیت اور اونچ نیچ کا دور دورہ ہے، کوئی طبقہ مطمئن نظر نہیں آتا، نفسی نفسی کا عالم ہے، ہر شخص سوچتا ہے کہ وہ کس نازک دور میں پیدا ہوا ہے کہ انسان کے دلوں میں نہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، نہ فکرِ آخرت، لے دے کے جو کچھ ہے دنیا کی دولت ہے اور اقتدار کا نشہ، اس دورِ قحط الرجال میں علمائے کرام اور مشائخِ عظامؒ کا تذکرہ بڑا ہی مفید ہے، اپنی ساری کمزوریاں نگاہوں میں آجاتی ہیں، تعمیرِ سیرت کا جذبہ ابھرتا ہے اور بہت ممکن ہے انسان اپنی آخرت سنوارنے کی سعی پر آمادہ ہوجائے اور اس طرح حسنِ خاتمہ کی توفیق اس کے حصے میں آئے۔''

مفتی صاحب نے اس کتاب کی غیر معمولی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر تحریر کیا کہ:

''خاکسار کا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ہر شخص اس تذکرہ کا مطالعہ کرے، عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی جدوجہد کرے اور اپنی زندگی سدھارنے کی زیادہ سے زیادہ سعیِ پیہم کرے۔''

دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر المدرسین و استاذِ حدیث حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''ملت اسلام کی محسن شخصیات کی یہ بزم دراصل اُسی محفلِ علم کی ایک تازہ شاخ ہے، جو کبھی دمشق و بغداد میں سجی تھی اور کبھی اندلس و خراسان میں آراستہ ہوئی تھی، اس گلشنِ علم کے پھول الگ الگ شکل کے ہیں، مگر ان کی خوشبو وہی ہے، جو کسی وقت قرطبہ اور اشبیلیہ میں مہکی تھی، تو ایک وقت بخاریٰ و نیشاپور میں، ان سب سدا بہار پودوں کی جڑ وہی شجرۂ طوبیٰ ہے، جو نخلستانِ مدینہ میں صفہ کے چبوترے سے اگا اور جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آج تک ساری دنیا امان و آسودگی پا رہی ہے۔

مولفِ کتاب نے اس مبارک تذکرے کا آغاز حضرت مجدد الفِ ثانی سے کیا ہے، جو واقعتاً اس ملت کے لمجدد ہیں، ان کے تجدیدی کارناموں نے ہی درحقیقت اہلِ حق کی مساعی کے لیے سرزمینِ ہند کی آبیاری کی اور حضرت مجدد صاحب کی جدوجہد کے نتیجے میں یہ خطہ علمائے حق کی جولان گاہ بن سکا، اس لحاظ سے ان کی شخصیت ہی اس لائق تھی کہ اسے ملتِ اسلام کی محسن شخصیات کا عنوان بنایا جائے۔

حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ مدظلہ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الاسلامؒ قدس سرہ و مہتمم مدرسہ نورالاسلام میرٹھ نے اس مبارک کام کی توجہ فرمائی اور یہ حضرت موصوف ہی کا حق تھا کہ انھوں نے علمائے حق کے حالاتِ زندگی جمع کئے، تاریخ کے بے شمار اوراق الٹ کر یہ سوانحی خاکے برآمد کیے اور ان میں سے سبق آموز حالات

نذرِ قارئین کیے، حق تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور حضرت مؤلف کو اجر جزیل عطا فرمائے۔‘‘

اس کتاب کی جہاں ایک بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس میں تاریخی واقعات و معلومات کا وفور ہے، جو قاری پر ہر آن معلومات کے نئے جہان کھولتا ہے، وہیں یہ پوری کتاب اس خوش اسلوبی سے مرتب کی گئی ہے کہ اس کا قاری (کم از کم اتنی دیر تک جتنی دیر تک وہ اس کا قاری ہے) اپنے آپ کو ملتِ اسلام کی ان محسن شخصیات کا ہم نشیں محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کے دل میں بھی اپنے آپ کو ان اسلافِ امت کی سیرت میں ڈھالنے کی خواہش اور تمنا جاگ اٹھتی ہے، حضرت حکیم صاحب کی یہ کتاب نہ صرف ان محسنین کی لافانی خدمات کے لیے بہترین خراجِ تحسین وعقیدت ہے؛ بلکہ اپنے طرز و اسلوب کے اعتبار سے قارئین کے لیے ’’گنجِ گراں مایہ‘‘ سے کم نہیں ہے، ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

(۲) حیاتِ اختر:

یہ تصنیفِ لطیف حضرت حکیم صاحب کے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا محمد اختر شاہ خاں صاحبؒ کے سوانح اور احوالِ زندگی پر مشتمل ہے، اس کی پہلی اشاعت جامعہ نورالاسلام سے ہی ۲۰۰۰ء میں ہوئی ہے، کتاب کے کل صفحات ۱۳۶ ہیں اور اس میں حکیم صاحب نے حضرت مولانا کی پیدائش، ابتدائی وانتہائی تعلیم سے لے کر آپ کی خدمات اور سانحۂ وفات پر مفصل اور وقیع گفتگو کی ہے، کتاب کی سطر سطر انتہائی سلیقہ مندی اور خوش نگاری کا مظہر ہے، ایک باوفا شاگرد کے دل میں اپنے جلیل القدر استاذ کی عظمت وتکریم و

تقدیس کے پائے جانے والے بے پناہ جذبات کا جلوہ بھی پوری کتاب میں نمایاں ہے، حکیم صاحب نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ مولانا موصوف کی زندگی کے اعمال واشغال، اقوال واحوال، اہلِ علم وعوام سے ان کی روزمرہ کی گفتگو، بے تکلفانہ مجالس کے لطائف و ظرائف، فرحت وانبساط کے لمحوں کی بذلہ سنجیاں، غم اور رنج والم کے لمحات کی افسردگیاں، حوادثِ وقت اور واقعاتِ مہمہ پر ان کی برجستہ نظم وقصیدہ گوئی کے سچے قصے، فرمایش پر ان کی ارتجالاً شعر گوئی، مجالسِ علمیہ کی نکات آفرینی اور درس وتدریس میں منفرد اندازِ افہام و تفہیم کی مفصل روداد بیان کی ہے، اس کے اخیر میں ''یادِ ایام'' کے زیرِ عنوان ضمناً حکیم صاحب نے اپنے احوال بھی مختصراً بیان فرمادیے ہیں، جو درحقیقت مولانا اختر خاں صاحب ہی کی زندگی کے ایک اہم گوشے کا بیانیہ ہیں اور وہ حضرت مولانا کے حکیم صاحب سے انتہائی مخلصانہ تعلقات ہیں، آخر کے تقریباً بیس[۲۰] صفحات میں حکیم صاحب نے ان تحریروں کے عکس بھی دیے ہیں، جو مولانا محمد اختر خاں صاحب نے مختلف موقعوں پر انھیں دی تھیں، مولانا محمد اختر خاں صاحب ایک قادر الکلام شاعر؛ بلکہ علمِ عروض کی تمام فنی باریکیوں اور نکات و لطائف سے مکمل آگاہی بھی رکھتے تھے، درمیانِ کتاب میں موقع بہ موقع حکیم صاحب نے ان کے اشعار کا ایک معتد بہ ذخیرہ اپنے حافظے کی مدد سے نقل کیا ہے، انھوں نے اپنے جلیل المرتبت استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی وفات کے موقع سے عربی زبان میں ایک تعزیتی وتاثراتی نظم کہی تھی، حکیم صاحب نے اسے بھی شاملِ کتاب کردیا ہے، اسی طرح ان کی ایک مشہور مناجات بھی کتاب میں مذکور ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے طریقۂ تحریر اور فنی قدر و قیمت کی بات ہے، تو اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ یہ کتاب اپنے اسلوب کے اعتبار سے بے پناہ کشش رکھتی ہے، سوانحی ذخیرے میں بھی یہ اپنی حقائق بیانی، معلومات کی فراوانی اور تحریر کی روانی کے اعتبار

سے ممتاز حیثیت کی حامل قرار دی جاسکتی ہے، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اپنی تقریظ میں حکیم صاحب کی اس خدمت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم صاحب مدظلہ نے اپنے استاذ محترم کی ہمہ جہت جامعیتِ علم وفکر کو اس تصنیفِ لطیف کے ذریعے اپنی ذہنی اور قلبی یادداشتوں کو جس قدر مؤثر انداز میں بہ تفصیل تحریر فرمایا ہے، وہ بذاتِ خود مصنف کے وقیع ذوقِ علمی پر شاہدِ عدل ہے، یقین ہے کہ اہلِ ذوق حضرت مولانا اختر خاں صاحبؒ کے ان نوادراتِ منظومہ ومنثورہ سے غیر معمولی طور پر بصیرت مندانہ لطف انگیزی حاصل فرمائیں گے۔''

(۳) منع الصالحات عن حضور الجماعات:

بالخصوص ہندوستان میں ''سلفیت'' کے نام پر فکری انحراف وآزادی کی جو ہوا چلی ہے اور معمولی اختلافات کو ہوا دے کر غیر معمولی بنادینے کے ان کے جو رجحانات لگاتار سامنے آرہے ہیں، انھیں ہر سنجیدہ شخص محسوس کرسکتا ہے، فقہی مسائل میں اختلافات اور شخصی و اجتماعی سطح پر نظریات ودلائل کا فرق کوئی نئی بات نہیں ہے؛ بلکہ اس کی مثالیں عہدِ صحابہ میں بھی پائی جاتی رہی ہیں؛ لیکن پوری اسلامی تاریخ اور صحابۂ کرام کے حالاتِ زندگی میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں کہ کسی فقہی مسئلے کو لے کر دو شخصوں یا دو جماعتوں میں باہم مناظرہ ومجادلہ کی نوبت آئی ہو، پھر یہ سلسلہ تابعین اور ائمۂ کرام کے زمانے میں بھی تھا؛ لیکن کوئی بھی یہ نہیں بتاسکتا کہ کسی امام نے دوسرے کے خلاف کسی قسم کی تہمت بازی کی ہو یا ان کی برسرِ عام تغلیط کی ہو، وہ اپنے اختلافات کا اظہار دلائل کی روشنی میں کرتے تھے، مگر کبھی بھی ایسے اختلاف کو انتہائی شکل نہیں دیتے تھے؛ لیکن انیسویں صدی کے سرِ آغاز میں ہندوستان میں جب سلفیت کے نام پر ائمۂ کرام اور امت کے محسنین کے تئیں بدگمانی پیدا کرنے اور معمولی

مسائل میں کسی ایک موقف پر اڑ جانے کا جو رویہ شروع ہوا، اس نے ہندوستان کے سنجیدہ اور حقیقت شناس علماء میں بڑی فکرمندی پیدا کردی اور انھوں نے اس نام نہاد غیر مقلد اور درحقیقت نفسانی خواہشات کے اتباع پر مبنی تحریک کے تعاقب کا بروقت سلسلہ شروع کیا، سلفیوں کا یہ گروہ جن فقہی مسائل کو اُچھال کر امت کو ائمۂ مجتہدین کے تئیں بدگمان کرنے اور ان کے علم وفکر پر حرف گیری کا ماحول بناتا رہا ہے، ان میں سے ایک مسئلہ عورتوں کا مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنا بھی ہے، یوں تو آج یہ مسئلہ بہت حد تک سرد پڑ چکا ہے اور ان سلفیوں کے معمولی گروہ کے علاوہ ہندوستان کے سوادِ اعظم میں اس کا قطعاً کوئی رواج نہیں ہے، مگر وقتاً فوقتاً جس شد و مد کے ساتھ اس مسئلے کو اٹھایا جاتا رہتا ہے، ایسے میں ضروری تھا کہ مسئلے کی صحیح طور پر تنقیح کی جائے اور حقائق سے پردہ اٹھایا جائے، حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ نے اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر یہ رسالہ لکھا تھا، اس کے کل صفحات ۶۸ ہیں اور اب تک اس کے چار ایڈیشن منظرِ عام پر آکر بے انتہا مقبول ہو چکے ہیں، حکیم صاحب کا طرزِ اسلوب خالص علمی اور محققانہ ہے، پہلے عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے اور ان کی پردہ پوشی و پردہ نشینی سے متعلق اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے، پھر ترتیب وار قرآن واحادیث سے ایسی دلیلیں پیش کی گئی ہیں، جو موجودہ عصر میں عورتوں کی مسجد میں حاضری کو ان کے لیے نامناسب؛ بلکہ ممنوع ومکروہ قرار دیتی ہیں، کتاب کے مطالعے سے قاری ایک قسم کی ذہنی طمانیت اور مسئلۂ متعلقہ پر پوری بصیرت مندی حاصل کر سکتا ہے، شروع سے ۲۹ صفحے تک حکیم صاحب کی تحریر ہے، جب کہ اس کے بعد سے آخر تک مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوریؒ کا رسالہ ''صلوۃ الصالحات'' بھی افادۂ عام کے لیے منضم کردیا گیا ہے، اس سے کتاب کی قدر و قیمت بھی دوچند ہوگئی ہے اور اس مسئلے پر دلائل کا ایک معتد بہ اور معتمد علیہ ذخیرہ بھی ہمیں دستیاب ہے۔

کتاب کی غیر معمولی افادیت واہمیت کا اعتراف اپنے وقت کے بڑے بڑے اہلِ علم وفتویٰ نے کیا ہے، انھوں نے نہ صرف حکیم صاحب کی علمی لیاقت وہمہ گیری پر انھیں داد دی ہے؛ بلکہ کتاب کے حسنِ ترتیب وتحریر پر بھی اپنی دلی خوشی واطمینان کا اظہار فرمایا ہے، دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کتاب کی اہمیت، قدر وقیمت اور افادیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''کوئی شبہ نہیں کہ یہ دور فتنہ وفساد کا ہے، اسلام مخالف کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اختلاف ابھرتا رہے اور مسلمان آپس میں دست وگریباں ہوتے رہیں، ہمارے غیر مقلدین بھائیوں میں کچھ لوگ دور اندیش نہیں معلوم ہوتے ہیں، کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ اٹھاتے رہتے ہیں، جو مسلمانوں میں مختلف فیہ ہو، کچھ دنوں پہلے انھوں نے عورتوں کی نماز مسجد میں ہونے کے مسئلے کو چھیڑا اور عورتوں کے لیے مسجد میں پنج وقتہ حاضری پر زور دیا؛ حالاں کہ یہ پرانا مسئلہ تھا؛ چنانچہ جب اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ شروع ہوا، تو میرٹھ کے ذمے دار اور اہلِ علم نے عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری دامت فیوضہم کو اس طرف متوجہ کیا، حضرت مولانا کی حدیث پر بڑی گہری اور وسیع نظر ہے، آپ نے لوگوں کے تقاضا پر ضروری سمجھا کہ حدیث کی روشنی میں جو صحیح صورت ہے، اسے لکھ دیا جائے۔

چنانچہ آپ نے ایک رسالہ مرتب فرمایا، جس میں ان تمام حدیثوں کو جمع کر دیا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی ہی سے عورتوں کو مسجد میں آنے سے حکمت کے ساتھ روک دیا گیا تھا اور صحابہ نے عورتوں کے مسجد آنے کو پسند نہیں فرمایا؛ بلکہ ان کی نماز ان کے گھر کے کسی گوشے میں ادا کرنے کو ترجیح دی ہے اور مسجد میں آکر مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے کو ناپسند کرتے تھے، بیسیوں حدیثیں حکیم صاحب نے ترجمہ وتشریح کے ساتھ جمع کر دی ہیں کہ عورتوں کے اپنے گھر کے گوشے میں نماز ادا کرنا

مسجد میں حاضر ہو کر ادا کرنے سے بدر جہا بہتر ہے۔

حدیث کا یہ مجموعہ بہت صاف ستھرا اور جاذبِ نظر ہے اور اسے ''منع الصالحات عن حضور الجماعات'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے، اس رسالے کے شائع ہوتے ہی حالات اجالے میں آ گئے اور پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور خود جماعتِ غیر مقلدین کے دلوں سے بھی سارے وسوسے دور ہو گئے، آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ قلیل مدت میں اس رسالے کے تین ایڈیشن نکل گئے اور اس کی برکت سے عوام میں جو انتشار پیدا ہو گیا تھا، وہ جاتا رہا۔

یہ واقعہ ہے کہ حکیم صاحب کے اخلاص نے بڑا کام کیا، عوام وخواص کی ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور فتنہ ختم ہو گیا، امت کو حضرت مؤلف کا شکر گزار ہونا چاہیے۔''

مظاہرِ علوم وقف، سہارن پور کے ناظم ومتولی، اپنے وقت کے معروف عالمِ دین، مفتی اور ولیِ باصفا حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے کتاب پڑھ کر اپنے وقیع خیالات کا اظہار فرمایا:

''محترمی ومکرمی جناب مولانا حکیم محمد اسلام صاحب میرٹھی دامت برکاتہم مہتمم جامعہ نور الاسلام، شاہ پیر گیٹ میرٹھ کا مولفہ رسالہ ''منع الصالحات عن حضور الجماعات'' جستہ جستہ دیکھا، ماشاء اللہ نہایت عمدہ مضامین پر مشتمل اور بروقت ہے، اس وقت بعض آزاد طبقوں کی جانب سے عورتوں کو مسجد جانے کی جو ترغیب حدیث وسنت کا نام لے کر دی جا رہی ہے، اس رسالے میں اس مغالطے کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور اس مسئلے کا تحقیقی جائزہ معتبر احادیث، مستند روایات اور آثارِ سلفِ صالحین کی روشنی میں لیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عوام وخواص کو استفادے کی توفیق بخشے۔''

(۴) تحفۃ الاسلام:

چوراسی[۸۴] صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بھی غیر مقلدین کے اٹھائے ہوئے ایک اہم ترین مسئلہ ''قراءت خلف الامام'' کے تحقیقی جائزے پر مشتمل ہے، اس میں قرأت خلف الامام کی ممانعت کو ثابت کرنے والی قرآن کریم سے پانچ، احادیث پاک سے تیرہ[۱۳] آثارِ صحابہ سے باون[۵۲] اور آثارِ تابعین سے گیارہ[۱۱] دلیلیں بیان کی گئی ہیں، اخیر میں ائمۂ اربعہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا قراءت خلف الامام کے تعلق سے مسلک بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد مسئلۂ متعلقہ پر پانچ عقلی دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، طریقۂ تحریر انتہائی سلیس، سنجیدہ ہے، اس کے باوجود کہ یہ مسئلہ انتہائی معرکۃ الآراء اور فریقین کے مابین ایک زمانے تک زبردست رسہ کشی کا موجب رہا ہے اور جہاں اس مسئلے پر اہلِ حدیثوں کے لٹریچر میں غیر سنجیدگی اندوہ ناک حد تک پائی جاتی ہے، وہیں مسلکِ احناف کی تائید میں لکھی گئی بہت سی کتابوں میں بھی غیر معمولی شدت پائی جاتی ہے، مگر حضرت حکیم صاحب نے ایسے مسئلے پر رسالہ تحریر کرتے ہوئے سنجیدگی اور متانت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، پورے رسالے میں ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ کارفرما رہا ہے اور آپ نے اپنی تحریر کو مسلکی عصبیت اور شدت پسندی سے آلودہ کرنے کی بجائے قرآن وسنت، آثارِ صحابہ وتابعین اور عقلِ سلیم کی روشنی میں اپنا موقف پیش کرنے پر مرتکز رکھا ہے، کتاب کے اخیر میں مسئلے سے متعلق آپ نے جو حاصلِ کلام لکھا ہے، وہ بھی نہایت جامع اور بصیرت افروز ہے، نفعِ عام کے لیے درج کیا جاتا ہے:

''(۱) قرآن کریم کا وجوبی حکم قراءت کے سننے اور خاموش رہنے کا ہے۔

(۲) قرآنِ کریم کے مطابق رحمتِ خداوندی کا مستحق وہی ہے، جو قرآن کو غور

سے سنے اور خاموشی سے سنے۔

(۳) احادیثِ صحیحہ سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن پڑھنا امام کی ذمے داری ہے اور مقتدی کی ذمے داری خاموش رہنا ہے۔

(۴) مقتدی کی قراءت کو نبی پاکؐ نے مخالفت و منازعت سے تعبیر فرمایا اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔

(۵) نبی پاکؐ نے امام کی قراءت کو مقتدی کی قراءت قرار دیا اور مقتدی کو قرأت سے منع فرمایا۔

(۶) خلفاے راشدین امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت سے منع فرماتے تھے۔

(۷) جمہورِ صحابہ کرام امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت کے قائل نہیں تھے۔

(۸) جمہورِ تابعین کا مسلک بھی مقتدی کی عدمِ قراءت کا تھا۔

(۹) جمہورِ ائمۂ مجتہدین مقتدی کی قراءت کے وجوب کے قائل نہیں تھے۔

(۱۰) اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے۔''

(۵) مناجاتِ اسلام:

اسلام نے دو طرح کی عبادات اپنے بندوں کے لیے ضروری قرار دی ہیں، ایک وہ عبادات جو خاص وقت، خاص مقام، خاص ہیئت اور خاص شرطوں کے ساتھ فرض کی گئی ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد وغیرہ، جب کہ دوسری عبادات وہ ہیں، جن کی ادائیگی کے لیے نہ تو وقت کی قید ہے، نہ مقام کی، نہ ان کے لیے کوئی خاص شرطیں ہیں، نہ مخصوص ہیئت کی ضرورت، آدمی گھر میں ہو یا گھر سے باہر، سفر میں ہو یا حضر میں، بیٹھا ہوا ہو یا لیٹا ہوا ہو، کاروبار کی تگ و دو میں ہو یا میدانِ جہاد کی ہما ہمی میں، وہ ہر وقت اور ہر آن اور

ہر موقع ومحل میں اس کو ادا کرسکتا ہے، خواہ زبان سے ادا کرے یا دل سے، اس کا بھی اس کو مکمل اختیار ہے، ان ہی عبادتوں کو قرآن وحدیث میں ذکر ودعا، تسبیح وتہلیل، تحمید وتکبیر اور استعاذہ واستغفار وغیرہ سے یاد کیا گیا ہے، پہلی قسم کی عبادتیں بندوں پر فرض قرار دی گئی ہیں اور دوسری قسم کی عبادتیں فرض تو نہیں ہیں، مگر اپنی تاثیر اور روحانی نتیجے کے اعتبار سے ان کی حیثیت واہمیت کسی فرض عبادت سے کم بھی نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں زندگی کے ہر پہلو اور ہر موڑ پر اور ہر موقع پر ذکر ودعا، استعاذہ واستغفار اور تحمید وتسبیح کی ترغیب ہی نہیں؛ بلکہ بعض مواقع پر ان کی تاکید بھی کی گئی ہے۔

قرآن میں دعاؤں کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں، وہ حدیث کی کتابوں میں حضور پاکؐ کے زبانِ پر سعادت سے ذکر ودعا کے عنوانوں سے مذکور ہیں، ان کو جب کوئی بندہ حضورِ قلب کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے، تو ان کے ایک ایک لفظ میں اسے اپنے دل کی ترجمانی، اپنے احوال کی نمایندگی اور پریشانی وبے چینی کے عالم میں اطمینان وسکینتِ قلب کا سامان میسر آجاتا ہے، ان دعاؤں کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں انسان کی داخلی وخارجی زندگی کی ان تمام ضرورتوں اور مسائل ومشکلات کا ذکر ملتا ہے، جن کی طرف انسانی اذہان بھی بسا اوقات پرواز نہیں کر پاتے، ان معصوم ومتبرک الفاظ کے ذریعے جب کوئی بندۂ خدا اپنے معبود کی بارگاہ میں التجا کرتا اور اس کے سامنے سراپا سوال بن جاتا ہے، تو خود اس بندے کو تو یہ محسوس ہوتا ہی ہے کہ اس کے اور اس کے معبود کے درمیان کے سارے پردے ہٹ گئے ہیں اور وہ بلا واسطہ طور پر اپنے خالق ومالک سے ہم کلامی کے شرف سے مشرف ہو رہا ہے، مگر خود بارگاہِ حق جل مجدہ سے بھی اس کی التجاؤں اور دعاؤں کی قبولیت بہت ہی یقینی ہو جاتی اور اس کی پریشانیوں اور مشکلات کے سلسلوں کا خاتمہ ہونے لگتا ہے۔

حضرت حکیم صاحب نے دعاؤں کی اس غیر معمولی اہمیت کا ادراک کرتے

ہوئے ان مسلمانوں کے لیے اپنے رب سے ہم کلامی کو آسان بنانے کی غرض سے، جو بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں اور عام احوال میں ان کا ذہن قرآن وحدیث کی ان ماثور دعاؤں کی طرف منتقل نہیں ہو پاتا، یہ انتہائی قیمتی کتاب مرتب کی ہے، اس کے شروع میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے نزدیک دعا کی اہمیت پر فاضلانہ گفتگو کی گئی ہے، پھر ان کی تاثیر پر کلام کیا گیا ہے اور اس کے بعد زندگی کے تقریباً تمام تر مراحل میں قرآن و احادیث میں مذکور دعاؤں کو عنوانوں، عربی عبارتوں کو ان کے ترجموں اور حوالوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ان اوقات اور گھڑیوں اور مقامات کی تعیین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، جن کے بارے میں احادیث میں منقول ہے کہ ان میں کی گئی کوئی بھی دعا اللہ کے حضور سے رد نہیں کی جاتی۔

کتاب کا دوسرا حصہ مخصوص اوراد و ادعیہ اور وظائف پر مشتمل ہے، اس میں قرآنی وظائف اور دعاؤں اور احادیث میں مذکور مناجات کو انتہائی سہل انداز میں اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، یہ سارے وہ اوراد و وظائف ہیں، جو صحابہ و تابعین اور مشائخِ کرام کے معمولات میں رہے ہیں۔

ترتیبِ بیان یہ ہے کہ پہلے قرآن میں مذکور اوراد و وظائف ان کی فضیلتوں اور فوائد کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، پھر ان دعاؤں کو تحریر کیا گیا ہے، جو قرآنِ کریم میں وارد ہوئی ہیں، ان کے لیے آپ نے ''مناجاتِ قرآن'' کا عنوان تجویز کیا ہے، اسی عنوان کے تحت چہل ربنا، آیاتِ شفا، آیاتِ سلام اور آیاتِ حسبنا اللہ بھی مذکور ہیں، تیسرے نمبر پر وہ دعائیں مذکور ہیں، جو صحیح احادیث میں مختلف اوقات و حالات میں پڑھنے کے لیے وارد ہوئی ہیں اور ان کے لیے ''مناجاتِ حدیث'' کا عنوان تجویز کیا گیا ہے، اسی عنوان کے تحت آپ نے ان نمازوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو دعا کے سلسلے میں وارد ہیں اور اسی طرح چہل اللہم کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے، اخیر میں حکیم صاحب نے اپنے متعلقین اور مریدوں کی سہولت و

استفادے کے لیے ان اذکارِ مسنونہ کو بھی ذکر کر دیا ہے، جن کا آپ اہتمام فرماتے تھے اور نئے بیعت ہونے والوں کو جن کی تلقین کرتے تھے، اس کے علاوہ اپنا شجرۂ سلوک وتصوف بھی بیان فرما دیا ہے۔ اس طرح حکیم صاحب کی یہ کتاب مستند اوراد، وظائف اور ادعیہ کا ایک قیمتی خزانہ ہوگئی ہے، ہر مسلمان کے لیے اس کا حاصل کرنا اور اسے اپنے پاس رکھ کر ان میں مذکور دعاؤں اور اذکار کو یاد کر کے رب تعالیٰ سے مناجات والتجا کرنے کی راہ بالکل آسان ہوگئی ہے، کتاب کے کل صفحات ۱۲۸ ہیں، ہر دعا کا، چاہے وہ قرآن میں منقول ہو یا حدیث میں، حوالہ اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ترجمہ بھی نہایت ہی شستہ، شایستہ اور سلیس وعام فہم ہے، عالم سے لے کر عام پڑھے لوگ بھی اس کتاب سے بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

(۶) درسِ بخاری:

حضرت حکیم صاحب نے جامعہ نورالاسلام میں ایک طویل عرصے تک صحیح بخاری کا درس دیا، اس کے افتتاح کے موقع پر جہاں دورۂ حدیث شریف کے طلبہ شریک ہوتے تھے، وہیں جامعہ کے جملہ اساتذہ وکارکنان اور حکیم صاحب کے مریدین ومنتسبین ومتعلقین بھی ہزاروں کی تعداد میں اس بابرکت درس میں شریک ہوتے تھے۔ آپ بخاری شریف کے اس ابتدائی سبق میں جہاں فنی وعلمی گفتگو کرتے، علمِ حدیث کی تدوین وترتیب کی تاریخ اور اس کے مراحل پر سیر حاصل اور وقیع عالمانہ ومحدثانہ کلام کرتے، وہیں اس کے ذیل میں صحیح بخاری کے جلیل القدر جامع ومصنف امامِ ہمام حضرت محمد بن اسمعیلؒ کی حیات، خدمات، علمِ حدیث میں ان کی مہارتِ تامہ، ان کی ذہانت کے سچے قصے، عبرت آموز واقعات اور ان کی زندگی میں پیش آنے والے حادثات کو بھی بڑے پراثر انداز میں بیان

کرتے تھے، چوں کہ اس مجلس میں طلبہ وعلماء کے ساتھ عام مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی؛ اس لیے دورانِ تقریر آپ اکابر محدثین، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور احادیث سے حاصل ہونے والے عملی اسباق کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے تھے؛ تاکہ عام مسلمان بھی اس مجلس سے برکت کے ساتھ کچھ ہدایات وارشادات بھی لیتے جائیں، جوان کی زندگیوں میں مفید ثابت ہوں، اسی طرح حکیم صاحب درس کے دوران اکابرِ دیوبند کے تقویٰ وطہارت، ان کی علمی قابلیت وبلوغیت کے قصے بھی بیان کرتے تھے؛ تاکہ طلبہ اپنے اکابر کے احوالِ زندگی اور ان کے کارناموں سے بھی شناسائی حاصل کرتے جائیں، مجلس کے اخیر میں طلبائے کرام کو عملی زندگی کے لیے انتہائی قیمتی اور تاحیات کام آنے والی نصیحتیں بھی فرماتے تھے۔

مذکورہ بالا رسالہ دراصل آپ کے اسی درسِ بخاری کے افادات کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے شاگردِ خاص اور جامعہ نورالاسلام کے استاذ حدیث مولانا عبدالستار احراض نے مرتب کیا ہے، اس کے کل صفحات پچاس ۵۰ ہیں اور اس میں آپ کے بخاری شریف کے پہلے سبق کی تقریر جمع کی گئی ہے، رسالہ بڑی جاں فشانی اور ہنرمندی سے مرتب کیا گیا ہے، یہ مرتب کی صلاحیتوں کا بھی عکاس ہے اور صاحبِ افادات کی علمی قابلیتوں کا شاہ کار بھی، اس میں آپ نے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسماعیلؒ بخاری کی جامع بخاری کی پہلی حدیث کا درس دیتے ہوئے، علم حدیث کی تدوین وترتیب کی تاریخی حیثیت پر بھی بڑا فاضلانہ اور مبصرانہ کلام کیا ہے، امام بخاریؒ کے حالاتِ زندگی، حصولِ علم میں ان کی جاں کاہی اور ان کے بلا کے حافظہ کے واقعات بھی بیان کئے ہیں، اتباعِ سنت میں ان کے اہتمام و احتیاط کا بھی خصوصی ذکر ہے، امام بخاری کے اتباعِ سنت کے ذکر کے ذیل میں آپ نے بانیِ دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام وامام محمد قاسم نانوتویؒ کے جذبۂ حبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اور اتباعِ سنت کا ذکر کرتے ہوئے اور امام بخاریؒ سے ان کی مماثلت کو بیان کرتے ہوئے اس سلسلے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے حوالے سے ایک بہت ہی بصیرت افروز واقعہ بیان فرمایا ہے:

''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو بزرگوں میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ آں حضرتؐ کے آنے کی خبر ہے اور آپ تشریف لے جارہے ہیں، صحابہ کا ہزاروں کا مجمع پیچھے ہے اور بھی ہزاروں لوگ ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو بھی دیکھا گیا کہ وہ بھی مجمع کے ساتھ ساتھ ہیں؛ لیکن مجمع تیزی سے جارہا ہے کہ جلدی سے حضورؐ کی زیارت کریں اور مولانا آہستہ آہستہ دھیمی چال اور سوچ سوچ کر قدم رکھ رہے ہیں، جس کی وجہ سے مجمع سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت لوگ تو حضور کے شوقِ زیارت میں دوڑے چلے جارہے ہیں کہ حضور آگئے ہیں، جلدی پہنچیں، کسی طرح زیارت نصیب ہو، مگر جاتو آپ بھی رہے ہیں؛ لیکن قدم ٹٹول ٹٹول کر، تو اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم جہاں پڑا ہے، میں بھی وہیں پر قدم رکھوں، اس کے دیکھنے میں دیر لگتی ہے، اس لیے میں آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوں، الحمدللہ ایک بھی قدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم سے الگ نہیں پڑا، اسی نشانِ قدم پر قدم رکھتا ہوا جارہا ہوں، اگرچہ دیر میں پہنچوں گا، گویا وہ ان کی اتباعِ سنت کی چیز تھی، جو خواب میں دکھلائی گئی، تو عالمِ حقیقت میں وہ متبع سنت ہونے کی ایک زندہ تصویر تھے، لہٰذا خوابوں میں بھی یہی چیز جلوہ فگن ہونے لگی۔'' (ص:۲۶-۲۷)

اسی طرح اس رسالے میں مولانا نانوتویؒ کے بخاری شریف اور اس کے علوم سے ایک خاص مناسبت و تعلق سے کئی واقعاتِ کرامت کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت امام بخاریؒ کے احوالِ زندگی کو بیان کرتے ہوئے آپ نے انھیں علمِ حدیث کے حصول و

اشاعت میں پیش آنے والے حادثات و ابتلا ئات کا بھی ذکر کیا ہے، ان کرامتوں کو بھی بیان کیا ہے، جو مستقل حدیثِ پاک کی خدمت کی وجہ سے ان سے ظاہر ہوئے اور جس کی وجہ سے ان کا نام علم و فضل کی تاریخ کا ایک انمٹ نقش بن گیا، رسالے کے آخری دو صفحے میں طلبائے بخاری شریف کو عمل و اتباعِ سنت کی تلقین کرتے ہوئے اپنے اکابر سے تعلق قائم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسالہ بہت ہی مختصر، مگر جامع اور بخاری شریف کے طلبہ کے لیے انتہائی مفید ہے۔ اسی طرح آپ کے مسلم شریف کے ابتدائی اسباق پر مشتمل افادات بھی مرتب ہیں اور طلبہ اور حدیث کا ذوق رکھنے والوں میں مقبول ہیں۔

(۷) تذکیر الاسلام:

یہ درحقیقت حضرت حکیم صاحب کے ان مواعظ کے مجموعے ہیں، جو آپ نے مسلسل نو سال تک اپنی مجالسِ اصلاح میں فرمائے تھے، ان کے مرتب بھی مولانا عبدالستار احراض صاحب ہیں، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ عام تقاریر اور مواعظ کی کتابوں کے مانند ان کی تقریریں طولانی نہیں ہیں؛ بلکہ مختصر اور موضوعات کے اعتبار سے بہت ہی متنوع ہیں، ان میں انسانی زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں کا اچھی طرح احاطہ کیا گیا ہے، عبادات سے لے کر، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات تک کے تمام شعبوں پر قرآنی آیات اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے، اندازِ بیان بھی انتہائی ہمدردانہ اور پر تاثیر ہے، اللہ تعالیٰ ان کے مرتب کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے حکیم صاحب کے قیمتی مواعظ کو جمع کر کے حضرت کے متعلقین و مریدین کے علاوہ عام جویانِ حق اور اصلاح کا جذبہ رکھنے والے مسلمانوں کے لیے بہترین ''گائیڈ لائن'' فراہم کر دیا ہے۔

ان مجموعوں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں حکیم صاحب نے تمام ان موضوعات کو سمیٹا ہے، جو عصرِ حاضر میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور جن کے حوالے سے امتِ مسلمہ

میں سخت لاپروائی ولاابالی پن کا رجحان پیدا ہوگیا ہے، اعمال سے متعلق ہوں یا اعتقادات سے، معاملات سے تعلق رکھتے ہوں یا اخلاقیات ومعاشرت سے، امت کی دینی ضرورتوں اوران کو درپیش مشکلات کا حل پیش کرنا امت کے فکرمند علمائے کرام کی ذمے داری ہے اور یہ ذمے داری حضرت حکیم صاحب نے بڑی دیدہ وری، خلوص اورلگن کے ساتھ انجام دی ہے، ان رسالوں کی زبان انتہائی سادہ ہے، معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی ان کے ذریعے بخوبی استفادہ کرسکتا اوراپنے اعمال واعتقادات درست کرسکتا ہے، ان کے لفظ لفظ سے خلوص، للّٰہیت، امتِ مسلمہ کے تئیں انتہائی درجے کی فکرمندی ودردمندی اوران کی اصلاح کے تئیں بے پناہ تڑپ اورلگن چھلکی پڑتی ہے۔

(۸) درس مسلم:

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ کو علم حدیث سے بڑا شغف تھا، چنانچہ وہ دوران طالب علمی سے ہی حفظ حدیث، تحقیق حدیث اورمختلف احادیث کے درمیان ربط پرغور کرتے رہتے تھے۔ آپ جامعہ عربیہ نورالاسلام میں ہمیشہ بخاری شریف اور مسلم شریف کے درس کی ابتداء کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ طلبہ کے سامنے وہ امام مسلم کی عبقریت پر تفصیل سے روشنی ڈالتے۔ آپ کے ذہن میں مسلم شریف کے جملہ نکات ہوتے تھے اوراحادیث کے تئیں ان کے یہاں بڑا احترام تھا۔ انہوں نے ہزاروں طلبہ کو مسلم شریف کا درس دیا، ان کے درس سے طلبہ بھرپور استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے درس کی غیرمعمولی اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا عبدالستار صاحب نے "درس مسلم" کے نام سے اسے مرتب فرمادیا ہے۔ یہ کتاب حضرت حکیم صاحبؒ کی علمی گہرائی اور احادیث سے مناسبت کا زندہ ثبوت ہے۔

سانحۂ ارتحال:

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب نے ۹۶ سال کی عمر پائی، ساری زندگی دین و علم اور مسلمانوں کی خدمت انجام دینے کے بعد یکم/دسمبر ۲۰۱۲ء کو آپ نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا، یوں تو آپ کی طبیعت میں گزشتہ کئی دنوں سے اضمحلال اور علالت کے آثار تھے، مگر پھر بھی آپ کے اعمال واشغال جاری تھے، جس دن آپ کا انتقال ہوا، اس دن صبح سے بھی آپ کی زبان پر حسب معمول اللہ اللہ کا ورد جاری تھا۔ ساڑھے سات بجے کے قریب آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی، آپ کا انتقال کسی معمولی شخص کی رحلت کا سانحہ نہیں تھا؛ بلکہ ایک عظیم القدر عالم دین، جلیل المرتبت محدث، ایک مصلح و مربی اور موجودہ صدی میں مسلمانوں کی زبوں حالی پر ہر وقت کڑھتے رہنے والے اور ان کی عزت و وقار کی بحالی میں عملی کوششوں کے ساتھ مسلسل دعا گو رہنے والے ایک خدامست قلندر کی وفات تھی؛ یہی وجہ ہے کہ جوں ہی آپ کی وفات کی خبر عام ہوئی اور ہندوستان و بیرونِ ہند میں آپ کے متعلقین و وابستگان کو اس کی خبر ہوتی گئی، غم واندوہ کا ایک سیاہ بادل چھاتا گیا، علاقے اور دور دراز سے سوگ واران جوق در جوق آنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک شخص کے مرجانے سے ساری فضا کو رنج والم کی چادر نے ڈھانپ لیا ہے۔

علوم ومعارف کے بحر بیکراں اور تصوف وحکمت کے فرزند جلیل حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کی درویشانہ زندگی کے روشن کارناموں کو بھلا کون فراموش کرسکتا ہے، جن کی زندگی کے سیکڑوں گوشے ہیں اور ہر گوشہ میں چھپا ہے دین ودعوت اور فلاح انسانیت کے بے شمار رنگ وآہنگ۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شمار حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کی ساری زندگی خیر وفلاح کی سرگرمیوں سے معمور تھی، بلاتفریق مذہب وملت

لاکھوں بندگان خدا ان سے محبت کرنے والے تھے، چنانچہ اس کا اندازہ حضرت کے انتقال کے بعد ہوا۔ کیا ہندو کیا مسلمان، ان کے انتقال پر ہر شخص اشکبار تھا۔ سیکڑوں مرید وخلفاء، ہزاروں شاگرد اور لاکھوں عقیدت مندوں کا ہجوم ان کے جنازہ میں کاندھا دینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرٹھ شہر میں کبھی لوگوں نے جنازہ میں اتنی بھیڑ نہیں دیکھی ہوگی، غیر معمولی ہجوم اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ مرحوم حکیم محمد اسلام انصاریؒ با فیض انسان تھے اور ہر کس وناکس کے خیر وفلاح کے لیے وہ سرگرم رہتے تھے۔

میرٹھ شہر میں جب حکیم محمد اسلام انصاریؒ کے انتقال کی خبر پھیلی تو پورے شہر میں ایک کہرام سا مچ گیا، ہر محلے سے لوگ تعزیت کے لیے آنے لگے، دور دراز گاؤں اور دیہات سے بھی جوق ودرجوق لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا اور دوسرے شہروں سے بھی آنے والے کم نہ تھے، رفتہ رفتہ ہجوم اس قدر بڑھتا گیا کہ لوگوں کے پاؤں رکھنے کی جگہ نہ بچی۔ جب جنازہ قبرستان کی جانب لے جایا جا رہا تھا تو تمام راستے تھم سے گئے تھے اور کئی راستوں کے ٹریفک روڈ بدلنے پڑے۔ گھنٹوں لوگوں کا اژدہام رہا اور دفنانے والوں کو اپنے نمبر کے انتظار میں گھنٹوں کھڑا رہنا پڑا۔ ہر طرف لوگوں کے چہروں میں غم وافسوس کی جھلک دکھائی دے رہی تھی، سبھی اپنے اپنے طور سے حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔ ہر شخص اپنے تعلق وعقیدت کا اظہار کر رہا تھا جب کہ کچھ لوگ اپنی یادوں کے حوالے سے حضرت حکیم صاحب کی خوبیاں بیان کرنے میں رطب اللسان تھے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کے تعلقات کافی وسیع تھے، کیوں نہ ہوں کہ وہ بیک وقت ایک ممتاز عالم دین، مدبر ومربی، سماجی ذمہ دار، مسلم تنظیموں کی سربرآوردہ شخصیت، جامعہ نورالاسلام سمیت متعدد مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار وسرپرست اور پیشے

سے ایک نباض حکیم تھے۔ چنانچہ ان کے تعلقات میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو گذشتہ پچاس برسوں کے دوران خالص دینی بنیادوں پر ان کے ربط میں آئے، تعلقات کی دوسری وجہ جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ کی نظامت تھی، جامعہ نورالاسلام کی وجہ سے ہزاروں علماء اور لاکھوں طلبہ سے ان کا تعلق قائم ہوا، چونکہ میرٹھ دینی، ملی وسیاسی سرگرمیوں کا ہر عہد میں مرکز رہا ہے اس لیے تمام تر سرگرمیوں میں حضرت حکیم صاحب کا تعاون ومشورہ شامل رہتا، اس لحاظ سے بھی تعلقات کی ایک نئی دنیا قائم تھی، اسی طرح ہزاروں ایسے عقیدت مند تھے جن کی راست طور پر دینی تربیت ورہنمائی کی تھی۔ ان کے علاوہ ہزاروں ہندو و مسلمان اس لیے حضرت حکیم صاحب سے متعلق تھے کیونکہ وہ حضرت کے یونانی طریقہ علاج سے شفایاب ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ سلوک وتصوف کے میدان کے جوہر آبدار تھے تو طب یونانی میں بھی انہیں کافی ملکہ حاصل تھا اور ان کے ہاتھ میں اللہ نے شفا رکھی تھی، چنانچہ لاکھوں لوگ ان کے علاج سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت حکیم صاحب عالم دین بھی تھے اور جامعہ نورالاسلام کے منتظم بھی، وہ پیر ومرشد بھی تھے اور سماجی ذمہ دار بھی، اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے حکیم بھی، یعنی ایک ذات مثل انجمن تھی، اس لیے ان کے تعلقات بھی ہمہ گیر تھے۔ اتنے گوناگوں تعلقات والے اس مرد جلیل کے انتقال پر تمام شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والوں میں صف ماتم بچھ جانا فطری امر تھا، جس کا مظاہرہ جنازہ میں موجود ہجوم سے ہو رہا تھا۔

یکم دسمبر ۲۰۱۲ء کی صبح سات بج کر تیس منٹ پر حضرت حکیم مولانا محمد اسلام انصاریؒ نے آخری سانس لی، انتقال کے بعد لاش کو ان کے عقیدت مندوں کو آخری دیدار کے لیے ان کے گھر محلّہ بھاٹواڑہ میں رکھا گیا۔ پھر جسد خاکی کو غسل دیا گیا۔ غسل دینے والوں میں مفتی سید احمد قاسمی، قاری محمد احمد نوری، مولانا عبدالستار، حافظ عبدالغفار،

مولانا مطیع الرحمٰن وغیرہ شامل تھے۔اس کے بعد عقیدت مندوں کے آخری دیدار کے لیے جامعہ عربیہ نورالاسلام میں رکھا گیا جہاں ظہر کی نماز تک رشتہ داروں، مریدوں، خلفاء اور عقیدت مندوں نے آخری دیدار کیا۔

جنازہ کی نماز جامعہ عربیہ نورالاسلام میں ادا کی گئی ،نماز جنازہ حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی فرزند حکیم الاسلامؒ پڑھائی ۔اس کے بعد جنازہ قبرستان شاہ پیر صاحب لے جایا گیا۔جنازہ کو کاندھا دینے کے لیے ایک جم غفیر موجود تھا،اس لیے جنازہ کی چارپائی کولوہے کے پائپ سے باندھ کر اٹھایا گیا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ کاندھا دے سکیں۔ یکے بعد دیگرے جنازہ کو سیکڑوں لوگوں نے کاندھا دیا اور میرٹھ شہر کے شاہ پیر صاحب قبرستان لے جایا گیا۔ظہر بعد متصلاً تدفین کا وقت طے کیا گیا تھا،مگر شرکت کے لیے آنے والوں کے تسلسل کی وجہ سے وقت بڑھتا چلا گیا، بعد نماز ظہر جنازہ کی نماز ادا کی گئی اس کے متصلاً بعد قبرستان کے لے جنازہ کا قافلہ روانہ ہوا، غیر معمولی ہجوم کی وجہ سے ظہر بعد چلا ہوا جنازہ عصر کی اذان کے وقت قبرستان پہنچ سکا۔ جنازے میں تاحد نگاہ انسانی سروں کا انبوہ نظر آتا تھا، بھیڑ کی وجہ سے آپ کا جنازہ محلّہ بھاٹ واڑہ (جہاں آپ کا مکان واقع تھا) سے لے کر شاہ پیر گیٹ پولیس چوکی، ہاپوڑ اڈہ اور ہاشم پورہ ہوتے ہوئے قبرستان پہنچا، جہاں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا، جنازے میں ملک بھر سے متعلقین، مریدین، شاگردوں اور منتسبین کی ایک بڑی جماعت نے شرکت کی ،جن میں دارالعلوم وقف دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی ،سہارن پور سے مولانا احمد سعیدی ،مفتی نصیرالدین، مولانا ریاض الحسن ، غازی آباد سے جمعیت علما کے صدر مولانا ریاض صاحب اوران کے علاوہ میرٹھ کے شہر قاضی مولانا قاضی زین الساجدین صاحب، قاری شفیق الرحمٰن قاسمی ، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، حاجی شاہد اخلاق ، حاجی یعقوب قریشی مفتی محمد احسان قاسمی ،

جامعہ نورالاسلام کے جملہ اساتذہ وطلبہ بطورِ خاص شریک رہے، عام اندازہ کے مطابق کم و بیش ڈھائی لاکھ لوگوں نے جنازے میں شرکت کی۔

ملک کے اردو اخبارات کے علاوہ ہندی کے بھی مشہور اخبارات دینک جاگرن، امراجالا، شاہ ٹائمس، ہندوستان، جن واڑی وغیرہ نے آپ کی وفات کی خبر کو نمایاں کر کے شائع کیا اور حضرت حکیم صاحب کے سانحۂ وفات کو ہندوستان بھر کے مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ سارے ملک کے لیے ایک عظیم خسارہ اور آیندہ پر نہ ہونے والے خلا سے تعبیر کیا۔

اکابر علماء کے تاثرات:

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کی ذات والا صفات اپنے آپ میں ایک انجمن اور اپنی ذات میں علم وعمل، انتظام وانصرام اور اصلاح وخیر خواہی کے اعتبار سے ایک عہد، ایک تاریخ اور ایک اکیڈمی کی حیثیت رکھتی تھی، اس کا احساس ہر اس شخص کو ہے، جو ان سے اور ان کی شب و روز کی سرگرمیوں سے آگاہی رکھتا ہے؛ اس لیے آپ کی وفات پر حساس علماء اور امت کے حوالے سے فکرمندی کے جذبے سے سرشار علماء کا متاثر ہونا یقینی تھا؛ چنانچہ آپ کی وفات پر اکابر علمائے امت نے اپنے قلبی رنج وغم کا اظہار کیا اور آپ کی وفات کو ملت کے لیے ایک عظیم خسارے سے تعبیر کیا، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے حضرت حکیم صاحب کی گوناگوں خدمات اور خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

''حضرت حکیم محمد اسلام انصاریؒ کی ذاتِ گرامی کمالِ اخلاص کے ساتھ محبوب اکابر شیخ العرب والعجم، حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا وقاری محمد طیب صاحبؒ کی اطاعتِ کاملہ کے ساتھ روحانی تربیت سے مستفید ہو کر علماً وعرفاناً مرجعِ خلائق بنی اور ان کے علمی و

عرفانی فیض رسانی کے دائرے کو حق تعالیٰ نے غیر معمولی وسعت ومقبولیت عطا فرمائی۔

آج ان کے پردہ کناں ہوجانے کے بعد ان کی وفات سے پیدا شدہ خلا پر تمام متوسلین بصد حسرت ویاس ایصالِ ثواب کے ذریعے حقِ عقیدت ادا کررہے ہیں، حق تعالیٰ حضرت حکیم صابؒ کی تمام حسناتِ حیات کو قبولیتِ تامہ عطا فرمائے اور مغفرتِ کاملہ کے ساتھ اعلیٰ علیین میں مقامِ کریم ارزانی فرمائے۔''

دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذِ حدیث اور حضرت حکیم صاحب کے مسترشدِ خاص حضرت مولانا فرید الدین قاسمی نے اپنے تاثراتی وتعزیتی مضمون میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''خالقِ کائنات نے حضرت حکیم صاحب کو ایسی صالحیت اور عبودیتِ کاملہ عنایت فرمائی تھی کہ ان کو دیکھنا ذکرِ الٰہی کا باعث بنتا تھا، جن کا چہرہ ''**سیماھم فی وجوھھم من اثر االسجود**'' کا مظہر تھا؛ لہٰذا ان کا دیدار درونِ قلب میں نورانیت پیدا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت علی کے بارے میں نبیؐ نے ارشاد فرمایا: ''**النظر علی وجه علی عبادة**'' یعنی حضرت علی کے چہرے پر دیکھنا بھی عبادت ہے، اہل اللہ کا چہرہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ دیکھنے سے اللہ کی یاد آجاتی اور زبان پر اللہ اللہ جاری ہوجاتا ہے، کچھ ایسا ہی حال حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کا تھا؛ البتہ ہر ایک شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق اہل اللہ سے مستفیض ہوتا ہے، اخیر میں دعائیہ کلمات کے ساتھ اپنا قلم روکتا ہوں کہ رب کریم حضرت علیہ الرحمہ کو جوارِ رحمت میں مقامِ کریم نصیب فرمائے اور ہم سب کو ان کے فیوض سے مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔(**آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامینؐ واصحابه اجمعین**).''

مظاہر علوم قدیم کے ناظم ومتولی حضرت مولانا محمد سعیدی نے اپنے مضمون میں

حضرت حکیم صاحب کی وفات پر قلبی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اور آپ کی خوبیوں اور اوصافِ جمیلہ کو بیان کرتے ہوئے اپنے تعزیتی مکتوب میں ارقام فرمایا:

''حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ عہد ساز اور عہد آفریں شخصیت تھے، ان جیسی ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

سادگی حکیم صاحبؒ کی گھٹی میں گویا رچی بسی تھی، سادہ غذا اور سادہ لباس، رکشہ سے مدرسہ آمد ورفت، بے جا رسوم پر نکیر، معروفات کا حکم، منکرات پر نکیر، عوام کی اصلاح کی فکر اور نئی نسلوں کے مستقبل کو تابناک بنانے کی دھن وغیرہ بعض ایسی صفات ہیں، جن پر حکیم صاحبؒ خود بھی چلتے رہے اور اپنے متعلقین ومعتقدین کو بھی ان صفات ومیزات کا خوگر بنانے کی سعیِ مسلسل کرتے رہے۔

ان کی نصف صدی سے زائد دینی وعلمی اور روحانی حیات وخدمات متوسلین کے لیے لائقِ تقلید وانقیاد ہے، وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے۔''

دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا محمد عارف قاسمی، جو حضرت حکیم صاحب سے ارادت واسترشاد کا بھی تعلق رکھتے تھے، انھوں نے آپ کی وفات پر اپنے دلی کرب وخلش کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا:

''یہ کسی فرد یا کسی خاندان کا سانحہ نہیں؛ بلکہ پوری ملت اور امت کا سانحہ ہے، البتہ یہ جدائی عارضی ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں؛ بلکہ اب جو ملاقات ہوگی وہ دائمی ہوگی، پھر کبھی جدائیگی نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کا ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ خاتمہ فرمائے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے تلامذہ، مریدین اور خلفاء بے شمار ہیں، جو دین کی دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں، بالخصوص حضرت کے نواسہ حضرت مولانا مفتی سید احمد صاحب مہتمم جامعہ نورالاسلام میرٹھ، خصوصی تربیت یافتہ اور حضرت کے نقشِ قدم پر قائم ہیں اور سبھوں سے قدیم تعلقات کو قائم رکھے ہوئے ہیں، دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت والا کی مغفرت کاملہ فرمائے، جنت الفردوس میں مقامِ کریم عطا فرمائے اور ہم اصاغر کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)''

امارتِ شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب ناظم، معروف عالمِ دین، مصنف و خطیب حضرت مولانا مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی بھی حضرت حکیم صاحب سے انتہائی مخلصانہ اور اصلاحی تعلقات رکھتے تھے، انھوں نے حکیم صاحب کی وفات پر اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی علمی و تصنیفی و انتظامی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور آپ کے روحانی و اصلاحی کارناموں کے حوالے سے حکیم صاحب کی امتیازی شان کا بڑے وقیع الفاظ میں تذکرہ کیا۔

حضرت مولانا محمد صادق قاسمی، جو جامعہ نورالاسلام کے مؤقر استاذ ہونے کے علاوہ حضرت حکیم صاحب کے انتہائی معتمد بھی تھے، انھوں نے حکیم صاحب کی وفاتِ حسرت آیات کو اپنا ذاتی خسارہ بتاتے ہوئے تحریر کیا:

''حضرت مولانا لائق علیؒ کے تقرر کے تھوڑے عرصے کے بعد احقر دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا، حضرت نے جامعہ میں بندہ کا تقرر فرمالیا اور ۳۲ رسال تک احقر اپنے مشفق و مخلص بزرگ حکیم صاحب اور حضرت مولانا لائق علی کی سرپرستی میں حدیث کی اعلیٰ درجے کی کتب پڑھانے کی سعادت حاصل کرتا رہا، حکیم صاحب کو اس ذرۂ بے مقدار پر اس قدر بھروسہ اور اعتماد تھا کہ تعلیمی نظم و نسق، طلبہ کے داخلہ و اخراج، اساتذہ

کے نصب وعزل، تقسیمِ اسباق وغیرہ کی ذمے داری احقر کے سپرد فرمادی تھی، حضرت مہتمم صاحب بہت ہی مخلص ومشفق مشیر کی طرح پیش آتے، یہاں تک کہ امورِ خانہ میں بھی مشیر ومعاون ہوتے۔

ان کی کن کن شفقتوں، عنایتوں اور اسوۂ حسنہ کا ذکر کیا جائے، اللہ تعالیٰ انھیں خدمتِ خلق اور خدمتِ دین کے عوض بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین).“

مولانا محمد الیاس مظاہری، جو حضرت حکیم صاحب کے شاگردِ خاص تھے اور فی الوقت گجرات کی معروف علمی ودینی درس گاہ جامعہ حمیدیہ پانولی بھروچ کے شیخ الحدیث اور جامعہ زکریا ڈھاکہ، چمپارن کے مہتمم ہونے کے علاوہ متعدد قیمتی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، انھوں نے اپنے استاذ گرامی قدر اور پیر ومرشد کی وفات پر شدید غم ورنج کے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

”چوں کہ یہ دنیا فانی ہے، وقتِ موعود پر ہر ایک کو جانا ہے، عدمِ خاتمہ تو صرف اور صرف ربِ کائنات کی صفت ہے، علوم ومعارف اور رشد وہدایت کا یہ آفتاب تقریباً ۹۶ سال کی عمر پاکر یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز سنیچر کو ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا (کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام).

جب آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی، تو ایک تہلکہ مچ گیا، ظہر کی نماز کے بعد اس دھوم دھام سے جنازہ اٹھایا گیا کہ سارا شہر میرٹھ اور اطراف واکناف مشایعت میں تھا اور ازدحام وبھیڑ کا یہ عالم تھا کہ غالباً میرٹھ شہر کی سرزمین پر اس سے پہلے کسی جنازے میں اتنا ازدحام نہ ہوا ہوگا، قبیلِ عصر دنیائے علوم وفنون کے اس بادشاہ کو سپردِ خاک کردیا گیا (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ).

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے‘‘

ان کے علاوہ بھی آپ کے ان معتقدین و وابستگان کی ایک بڑی تعداد ہے، جنھوں نے حضرت حکیم صاحب کی وفات پر تعزیتی تاثرات کا اظہار کیا ہے، تحریری طور پر بھی اور زبانی بھی، ان میں سے کچھ تعزیتی مضامین اس کتاب میں بھی شامل ہیں۔

یقیناً حضرت حکیم صاحب کی ذات ایسی ہی ہمہ گیر، ہمہ جہت اور بابرکت تھی کہ ان کی وفات پر ایک دنیا رنج وغم کا اظہار کرے اور انھیں خراجِ عقیدت پیش کرے، اب حکیم صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں؛ اس لیے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھانے، ان کی چھیڑی ہوئی ہر قسم کی علمی، دینی واصلاحی تحریک کو منزل تک پہنچانے اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو ان ہی کے نہج اور طے کردہ خطوط کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کریں، اللہ ہم سب کی طرف سے حضرت حکیم صاحب کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

سید احمد قاسمی

جانشیں عارف باللہ شیخ طریقت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم جامعہ عربیہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ۔

☆☆☆

ایک اسم بامسمّٰی بزرگ شخصیت

(حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی)

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ونائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری رحمہ اللہ اپنی عالمانہ، عارفانہ، مومنانہ اور مسلمانہ امتیازی خصوصیات میں اس غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے کہ جو اہلِ دل کو کبھی کبھی اور کہیں کہیں نظر آتی ہے، ریاضت ومجاہدات نے ان کو ان روحانی قوت سے نواز دیا تھا کہ جنھوں نے ان کی ذاتِ گرامی کو طالبین کی فیض رسانی میں نہایت وسیع الافادہ بنا دیا تھا، واردین وصادرین تو حسبِ استطاعت بہرہ مند ہوتے ہی تھے؛ لیکن بذریعہ بیعت وارشاد مستفیدین کی تعداد تو شمار سے باہر ہے۔

درسی کتب پر علمی وسعتِ نظر اتنی قوی تھی کہ بعض اوقات گفتگو میں کتابی عبارتیں حفظ پڑھ دیا کرتے تھے، یہ ہی علماً فیض رسانی کی شکل تھی کہ اہلِ علم کو حضرت حکیم صاحب کی علمی باتیں ذوقِ علم سے آشنا بنا دیتی تھیں اور ذوقِ معنویت رکھنے والے حضرات حکیم صاحب کی فیض رسانی کی صحبت سے مقبولیتِ عامہ پر فائز ہو جاتے تھے، بالفاظِ دیگر حضرت حکیم صاحب باعتبار طاعات، عبادات اور معاملات دینی اعمال کا پیکر تھے اور علومِ باطنہ میں توحیدِ ربانی، معرفتِ صفاتِ باری تعالیٰ میں یقین وایمانِ کامل کی بنیاد پر اللہ نے ان کو علم الیقین عطا فرما دیا تھا، ان ہی علمی وعرفانی کمالات نے حضرت حکیم صاحب کے فیض کو وسیع الذیل بنا دیا تھا، یہ شانِ مومنِ مخلص میں جبھی پیدا ہوتی ہے کہ جب قلب تمام اخلاقی

کدورتوں سے پاک ہوکر علمی اور عرفانی خصائص سے مزین ہوجائے،اس مقام پر ریاضت کنندہ رذائلِ اخلاق کینہ،بغض،عداوت،حبِ دنیا،حبِ جاہ،بخل وحرص اور کبرو غرور سے پاک ہوکر ہی فائز ہوتا ہے،ان خصائص میں اللہ تعالیٰ نے وہ جاذبیت ودل کشی رکھی ہے کہ مخلوقِ خدا کے لیے ایسے بزرگوں کی خدمت میں خادمانہ حاضری حصولِ سعادت کا یقینی وسیلہ بنتی ہے اور فیض رساں شخصیت میں لوگوں کا غیر معمولی رجوع تواضع کو ان کی فطرت میں غالب کردیتا ہے اور پھر "من تواضع للہ رفعه الله" کے ضابطۂ ربانی کے مطابق عزتیں ان پر نچھاور ہونے لگتی ہیں۔

معنویت وروحانیت،جن کی بنیاد حدیثِ جبریل میں "ان تعبدالله كانك تراه،فان لم تكن تراه فانه يراك" بتائی گئی ہے،اس کی معنویت سے ماخوذ مقصداولاً علمِ ہدایت سے استفادہ ہے،دوسرا مقصد تکمیلِ اخلاق ہے،یعنی نفس کی دینی شایستگی،ذوق کو دینی اعمال کا عادی بنانا،شریعت کو وجدان کا محور اور علوم واحکامِ دین کے حقائق کا شائق بنانا ہے۔

تصوف:

اہل اللہ کے وارداتِ قلبی جب علمی حقائقِ مختلفہ کی صورت میں ایک عظیم علمی ذخیرہ بن گئے اور ان تمام میں قدرِ مشترک القائے ربانی تھا،تو اربابِ علم وفکر نے ان حقائقِ الہامیہ کو مدون کیا اور یہ ہی ذخیرہ احوال وحقائقِ فن کی صورت میں مدون ہوگیا،اس ذخیرۂ عرفانیات کی عظمت واہمیت تو ناقابلِ انکار تھی ہی،مگر جب تک یہ قیمتی ذخیرہ اہلِ دل کے ہاتھوں میں رہا،تو اس کی افادیت نے بے شمار اربابِ اخلاص کو واصل بحق کیا،مگر جب فنی حیثیت سے اربابِ حال کی بجائے اربابِ قال نے اس کو فنی

موشگافیوں کا موضوع بنالیا، تو اس کی معنوی عظمت اور روحانی حقیقت علمی نکتہ آفرینیوں میں تبدیل ہوگئی، جب کہ اربابِ حال کے مختلف انواع کے دقیق المعنیٰ وارداتِ قلب یا بالفاظِ دیگر صوفیائے کرام کا تصوف دو بنیادوں پر قائم ہے اور وہ دو بنیادیں وہ ہیں کہ جو نبی پاکؐ نے اپنے مقصدِ نبوت کی حیثیت سے ارشاد فرمائیں۔

پہلا مقصد تو یہ فرمایا کہ: "انما بعثت معلما" گویا تعلیم دینِ نبوت کی وہ اولین بنیاد ہے کہ جو آپؐ کی ذاتِ مبارکہ کو ہر قسم کے تعلیمی اسباب کے بغیر علم کا وہ مقامِ عظمت عطا فرمایا گیا کہ عہدِ نبوت سے اس علمِ نبوت سے مستفیدین ایسے اربابِ علم وفضل پیدا ہوئے کہ جنھوں نے باطل کی بے شمار اقسام اور باطل پسندوں کے لاتعداد افراد وطبقات کی زبانوں کو علمِ نبوت کی قوت سے گنگ اور قلموں کو خشک کر کے رکھ دیا اور ان میں مجالِ دم زدن باقی نہ رہنے کے نتیجے میں وہ اس سوقیانہ کذب واتہام پر مشتمل قول وعمل پر اتر آئے کہ جس نے ہر معقول پسند کی نگاہوں میں ان کو دنائت وحقارت کے آخری درجے پر پہنچا دیا۔ یہ ہی علمِ نبوت بعض طبائع پر علم وحکمت کی صورت اختیار کر کے اہلِ علم کے لیے بیش بہا وراثت بن جاتا ہے اور بعض پر وفورِ عرفان وانابت کا وسیلہ بن کر ذوق وشوق کے ساتھ کثرتِ عبادات ان کو صبر وشکر کے مقامِ رفیع پر فائز کر دیتی ہے۔

دوسرا مقصد:

خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ: "بعثت لأتمم مکارم الاخلاق"، جس کی توضیح "تخلقوا باخلاق الله" سے فرما کر اخلاق کی عظمتوں کو بے نہایت بنا دیا، علم کا تعلق اعمال سے ہے، علم بلا عمل برقرار نہیں رہ سکتا، جیسے حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: "هتف العلم بالعمل ان جاء، الا فارتحل" اور وصول الی اللہ اتباعِ سنت پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ اتباع بغیر

علومِ نبوت کے ممکن نہیں؛ اس لیے اہل اللہ کی پہچان کا معیار صرف اتباعِ سنت ہے، قرآنِ کریم نے یہ فرما کر اتباعِ سنت کو قطعی بنا دیا: "قل ان کنتم تحبون اللہ ،فاتبعونی یحببکم اللہ،ویغفر لکم ذنوبکم،واللہ غفور رحیم" اس آیتِ کریمہ نے اللہ رب العزت سے قرب کو اتباعِ سنت رسول پر مبنی قرار دیا، اسی بنیاد پر یہ ارشاد قرآنی اصلاحِ ظاہر و باطن کا ایک ایسا دائمی ضابطہ بن گیا کہ جس کے بغیر تکمیلِ مراد ممکن ہی نہیں۔

پھر اس ضابطے کی تعمیل تک رسائی کے لیے قرآنِ کریم نے یہ فرما کر: "یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین" ایک وسیلہ مقرر فرمایا، یہ ہی معیتِ صادقین فطرتِ سلیمہ میں ذوقِ اتباعِ سنت کی تولید کا وسیلہ بن کر اس منزلِ مراد یعنی تزکیۂ نفس، تصفیۂ اخلاق اور سعادتِ ابدیہ کے لیے ظاہر و باطن میں انابت الی اللہ اور مقصدِ حیات بن جاتا ہے۔

حضرت حکیم محمد اسلام انصاریؒ کی ذاتِ گرامی کمالِ اخلاص کے ساتھ محبوب اکابر شیخ العرب والعجم، حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا و قاری محمد طیب صاحبؒ کی اطاعتِ کاملہ کے ساتھ روحانی تربیت سے مستفید ہو کر علماً و عرفاناً مرجعِ خلائق بنی اور ان کے علمی و عرفانی فیض رسانی کے دائرے کو حق تعالیٰ نے غیر معمولی وسعت و مقبولیت عطا فرمائی۔

آج ان کے پردہ کناں ہو جانے کے بعد ان کی وفات سے پیدا شدہ خلا پر تمام متوسلین بصد حسرت و یاس ایصالِ ثواب کے ذریعے حقِ عقیدت ادا کر رہے ہیں، حق تعالیٰ حضرت حکیم صابؒ کی تمام حسناتِ حیات کو قبولیتِ تامہ عطا فرمائے اور مغفرتِ کاملہ کے ساتھ اعلیٰ علیین میں مقامِ کریم ارزانی فرمائے۔ (آمین یارب العالمین بحرمۃ اناللہ وانا الیہ راجعون)

☆☆☆

﴿حکیم صاحب طبیب حاذق﴾

(حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری)

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

امت مسلمہ کی رہنمائی، ہدایت اور صلاح وفلاح کا مدار حق تعالیٰ نے جس طرح کتاب وسنت پر قائم فرمایا ہے، اسی طرح انبیاء کرام کے متبعین کاملین کی زندگی کو بھی نمونۂ ہدایت قرار دیا ہے، اسی لیے ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ان حضرات کے ارشادات، ملوفظات اور مواعظ ونصائح کو بھی جمع کر کے شائع کیا جاتا ہے، ان کی سوانح اور ان کے حالات زندگی کی اشاعت کا ہر زمانہ میں رواج رہا ہے، جس طرح ان کی زندگی میں رفاقت اور صحبت سے فیض حاصل کیا جاتا رہا، اسی طرح ان کے رخصت ہوجانے کے بعد ان کے ارشادات ونصائح اور وصایا فیض رسانی میں ان کی صحبت ورفاقت کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

ماضی قریب میں ہمارے اکابر ومشائخ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شخصیت دینی رہنمائی اور روحانی فیض رسانی میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے، ان کی بیش قیمت تصانیف، ان کے الہامی مواعظ وتقاریر اور ان کے بافیض خلفاء کرام سے امت نے ہمیشہ غیر معمولی فائدہ حاصل کیا ہے۔

ہمارے قریبی علاقہ شہر میرٹھ میں حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب قدس سرہ بھی ان ہی نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی مختلف خدمات میں ممتاز درجہ عطا فرمایا تھا، انہوں نے ایک طرف امت کی علمی فیض رسانی کے لیے شہر میرٹھ میں

ایک دینی مدرسہ نورالاسلام قائم فرمایا، جو آج کل مرکزی مدارس میں شمار ہوتا ہے، دوسری طرف اپنے شیخ حضرت مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ سے اجازت وخلافت کا شرف پانے کے بعد خانقاہ قائم فرما کر ایمانی وعرفانی فیض جاری فرمایا۔

حکیم صاحب موصوفؒ طبیب حاذق بھی تھے اس لیے یونانی مطب قائم کر کے جسمانی مریضوں کے لیے بھی آخر وقت تک قابل قدر خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ حکیم صاحب مرحوم کی ان تمام خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے مراکز فیض کو قائم ودائم رکھے۔ ان کے سعادت مند حفید محترم عزیزم مولانا مفتی سید احمد صاحب قاسمی نے ان کے حالات زندگی مرتب فرما کر بعد میں آنے والے خدام دین کے لیے استفادہ کا سامان مرتب فرمایا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔

۱۹/ جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۰/ اپریل ۲۰۱۴ء۔

☆☆☆

ایک عہد کا خاتمہ

(حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب)

ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارن پور

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

عالمِ فانی میں بقا و استحکام، دوام اور استمرار کسی کو حاصل نہیں؛ تاہم بہت سی شخصیات کے جانے کے بعد بھی ان کے نقوش موجود، ان کے پاس انفاس کی خوشبو محفوظ اور ان کے آہِ سحرگاہی کے درد کی کسک اور تڑپ محسوس ہوتی رہتی ہے؛ کیوں کہ بافیض ہستیاں کبھی نہیں مرتی ہیں، ان کے کارناموں سے دنیا بعد میں بھی فیض یاب ہوکر راہ یاب ہوتی رہتی ہے:

الجاهلون فموتى قبل موتهم

والعالمون وان ماتوا فأحياء

(جہلاء موت سے پہلے بھی مرے ہوئے ہوتے ہیں، جب کہ علماء مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں)

پاک اور پاکیزہ ہستیوں کا جانا صرف پردہ کرجانا ہے، وہ اپنے علمی، دینی، روحانی، اصلاحی وعرفانی خدمات اور کمالات سے مرنے کے بعد بھی فیض پہنچاتے رہتے ہیں، ان کے لگائے ہوئے شجرِ علم سے لوگ سایہ پاتے ہیں، ان کے ذریعے پروان چڑھنے والے مدارس اور خانقاہوں سے لوگوں کے قلوب منور اور روشن ہوتے ہیں، ان کے آہِ سحرگاہی کی برکت سے بعد والے روشنی حاصل کرتے رہتے ہیں:

قدم قدم مری ہمت بڑھائی جاتی ہے
نفس نفس تری آہٹ سنائی جاتی ہے

اسلام نے اپنے متبعین کو راہ نما ہدایات اور تعلیمات دی ہیں، وہ دیگر ادیان و مذاہب پر اس وجہ سے بھی ممتاز ہے کہ اسلام بڑوں کا احترام کرنے کی تاکید و ہدایت دیتا ہے، بڑوں سے گفتگو کے اصول وضع کرتا ہے، ان کی باتوں کی اہمیت اور حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، اسلام ہم سے کہتا ہے کہ نبیؐ کی گفتگو حدیث ہے، اسلاف کی باتیں ملفوظات اور ارشادات ہیں، ان کے ارشادات میں بھی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، ان کے ملفوظات دراصل تعلیماتِ اسلام کا عکس اور تفسیر ہوتی ہیں، ہمارے اکابر اپنے مواعظ وارشادات کے اندر پھول کی خوشبو کی مانند موجود رہتے ہیں، جو محسوس تو کی جاتی ہے؛ لیکن نظر نہیں آتی:

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

عارفین کاملین کی حیات جاودانی پڑھنے سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، ان کی سوانحِ حیات سے بعد والی نسلوں کو اپنا مستقبل سنوارنے میں مدد ملتی ہے؛ کیوں کہ انھوں نے ان طریقوں کو اختیار کیا، جو ان کے اسلاف نے بتائے تھے، ان راہوں پر چلے، جن پر ان کے اکابر چلانا چاہتے تھے، اپنی سیرت اور کردار کو نبیؐ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی ہر ممکن کوشش وسعی فرمائی:

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہاے مردمِ عارف مزارِ ماست

جب چھوٹے اپنے بڑوں کے نام کو عمدگی کے ساتھ اور ان کے ارشادات و ہدایات کو اپنی زندگیوں میں اپناتے ہیں، تو خلاقِ عالم ان کو بھی عزت وعظمت کے ساتھ یاد رکھی جانے والی ایک ایسی ہی نسل اور مخلوق پیدا فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ نبی کریمؐ کا ارشاد سراپا ارشاد ہے: "**ما أكرم شاب شيخاً من أجل سنه الا قيض الله من يكرمه عندسنه**". (جو نوجوان کسی بزرگ کی اس کی عمر رسیدگی کی وجہ سے عزت و تکریم کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں اس کا اعزاز و اکرام کرنے والے پیدا فرما دیتے ہیں)۔

صاحبانِ علم نے تنہا علم کو وبال اور تنہا عمل کو ضلال سے تعبیر فرمایا ہے، جب تک یہ دونوں چیزیں بیک وقت انسان کے اندر موجود نہ ہوں، اس وقت تک صحیح معنوں میں نہ تو علم کامل ہوتا ہے اور نہ ہی عمل کافی ہوتا ہے، یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری ان ہی ستودہ صفات شخصیات میں سے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علومِ نبوت سے بھی مالا مال فرمایا تھا اور نورِ نبوت سے بھی۔ وہ مسندِ درس و تدریس پر فائز عظیم عالمِ دین بھی تھے اور سلوک و تصوف کے عالی مقام مربی بھی۔

انھوں نے اپنے برگزیدہ صفات اسلاف کے نام اور کام کو اختیار کیا، ان کے لگائے شجرۂ علم و روحانیت کی آبپاشی و آب یاری کی، ان کے بتلائے ہوئے دینی نسخوں کو خود بھی استعمال کیا اور دوسروں کو بھی استعمال کرایا؛ چنانچہ آج حکیم صاحب بھی زندہ و جاوید ہو گئے، لوگوں کے قلوب میں حکیم صاحب موجود ہیں، عوام کی زبانوں پر حکیم صاحب کی باتیں اور خواص کی مجلسوں میں حکیم صاحب کا ذکرِ خیر عندالناس ان کی مقبولیت اور عنداللہ ان کی محبوبیت پر دال ہے، اسی طرح دینی مدارس کے علمی و روحانی ماحول میں بھی الحمدللہ حکیم صاحب کی عظمت کے گن گائے اور ترانے گنگنائے جا رہے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اسلام انصاری نے صرف درس و تدریس، سلوک و تصوف اور وعظ و ارشاد کے ذریعے ہی دین کی خدمت نہیں کی؛ بلکہ تصنیف تالیف کے میدان میں بھی قدم رکھا اور صنفِ نازک کی اصلاح و تربیت کے لیے "منع الصالحات" نامی

کتاب تحریر فرمائی، دورۂ حدیث شریف کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے انھوں نے ''درسِ مسلم'' نامی کتاب بھی مرتب فرمائی، اسی طرح انھیں اکابر واسلاف کے تذکرے سے غایت درجہ محبت اور تعلق تھا؛ چنانچہ ''ملتِ اسلام کی محسن شخصیات'' نامی ایک مفید اور معلوماتی کتاب بھی مرتب اور شائع فرمائی۔

اس کتاب میں بہت سے علماء واکابر کے مختصر اور آسان اردو زبان میں تذکرے شامل ہیں، کتاب مذکور میں مظاہر علوم (وقف) سہارن پور کی بعض اہم ہستیوں کے ذکر جمیل سے بھی کتاب کو رونق بخشی گئی ہے، جن میں خاص طور پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی (بانیان مظاہر علوم وقف) کے علاوہ اولین فارغ و فاضل حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری ناظم ومحدث مظاہر علوم، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد علی مونگیری (بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ) مؤرخِ اسلام حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، بانی سلسلۂ تبلیغ حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا علامہ ظفر احمد تھانویؒ عثمانی، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجرِ مدنی لائقِ ذکر ہیں۔

اسی طرح مذکورہ کتاب میں مظاہر علوم کے بعض سرپرستان بالخصوص حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کا تفصیلی تذکرہ شاملِ کتاب کیا گیا ہے۔

۲؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو جب مجھے حکیم محمد اسلام انصاریؒ کے انتقال کی خبر کلفت اثر ملی، تو حکیم صاحب کی حیات مبارکہ میری نظروں کے سامنے گردش کرنے لگی، حکیم صاحب کی

ذات سے عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد فیضیاب ہورہی تھی، مسجد انصاریان سے متصل چھوٹے سے مکتب نورالاسلام میں پرورش اور تربیت پانے والے حکیم صاحب کے بارے میں کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا کہ کہ یہ بچہ آگے چل کر اکابر کی اس صف میں پہنچ جائے گا، جن کی باتوں کو لوگ عظمت کے ساتھ ذکر کیا کریں گے، جن کی کتابوں سے لوگ وہی فیض پائیں گے، جو کبھی ان بزرگوں کی مجلسوں سے پایا کرتے تھے، جن سے علیک سلیک کو لوگ سعادت تصور کریں گے، جن سے اکتسابِ فیض کو لوگ اپنی معراج سمجھتے رہیں گے، جن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو تلامذہ اپنے لیے سند گردانیں گے، افسوس! کہ دنیا نیک اور نکوکاروں سے خالی ہوتی جارہی ہے۔

حکیم صاحب نے مکتب انصاریان میرٹھ میں ابتدائی اور امدادالاسلام میرٹھ میں انتہائی تعلیم حاصل کی، نہ تو بڑی سند کے لیے مظاہر علوم آئے اور نہ ہی دیوبند کا رخ کیا؛ کیوں کہ ان کے پیش نظر صرف حصولِ علم تھا، بڑے اداروں کی عالی سندات کا حصول نہیں، آپ نے حضرت مولانا اختر شاہ خان صاحب امروہویؒ سے بطور خاص علم سیکھا، تربیت پائی، دعائیں پائیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی سادگی، گم نامی اور زاویۂ خمول میں رہنے کے باوجود بڑے بڑے علماء وصلحاء کے دلوں میں اپنا مقام بنالیا۔

امامِ ربانی حضرت گنگوہیؒ کے مسترشدِ خاص عارف باللہ حافظ محمد حسین اجراڑویؒ کے دیدار سے بھی مشرف ہوئے، ان کی دعائیں بھی پائیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا ردیف اور شریکِ سفر بننے کا موقع ملا، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اکتسابِ فیض کرکے اپنے دل کی دنیا روشن کی، جدامجد صاحبِ معلم الحجاج حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کی معیت و رفاقت میسر آئی، دارالعلوم اور مظاہر علوم کے صاحبانِ علم وعرفان کے علاوہ متعدد حضرات اہل علم وفکر سے حکیم

صاحب کو خصوصی تعلق اور مناسبت تھی، ان ہی تعلقات، دعاؤں اور عالی صفات ہستیوں کی نظر کرم کا نتیجہ تھا کہ حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کا خوب خوب موقع بخشا، اپنے سب سے پہلے مادرِ علمی نورالاسلام کو مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے جامعہ بنانے میں حکیم صاحب نے شبانہ روز محنت و کوشش فرمائی، جہاں صرف ابتدائی تعلیم کا نظم تھا، حکیم صاحب کی کوششوں سے الحمدللہ دورۂ حدیث شریف تک تعلیم ہونے لگی، کبھی آپ خود مرید تھے؛ لیکن بعد میں کتنے ہی لوگوں کے مراد اور مرکز بن گئے، آپ کے اصلاحی کاموں کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا احاطہ یا شمار مشکل ہے، تاہم بدعات وخرافات کے خاتمہ کے لیے حکیم صاحب کی کوششیں ہمیشہ جاری رہیں، آپ طبیب حاذق، نبض شناس اور روحانی امراض کے معالج تھے، اصلاحِ اعمال اور ذکر وفکر کی دکانِ معرفت سے کتنوں ہی کو سیرابی و فیضیابی کا موقع ملا اور کتنوں کو اپنے روحانی امراض کے شافی نسخے میسر آئے، خوردوں کی خبر گیری اور ان کو دادودہش بھی آپ کی دیرینہ عادت تھی۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ سے حکیم صاحبؒ شاید عمر میں کچھ بڑے ہوں، پھر بھی ادب واحترام اور غایتِ عظمت وتعظیم کا معاملہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ کو جب فقیہ الاسلام کا انتقال ہوا، تو حکیم صاحب نے جو تعزیتی مکتوب میرے نام تحریر فرمایا، اس مکتوب کی سطر سطر سے مظاہر اور اکابرِ مظاہر سے عقیدت وتعلق اور ان کی عظمتوں کا ذکر وتذکرہ اور ان سے دیرینہ وارفتگی چھلکتی ہے، پھر ایک مختصر مگر اہم مضمون تحریر فرمایا، جو ''فقیہ الاسلام نمبر'' کے صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ پر شامل اشاعت ہے۔

اس مضمون میں میرے دادا محترم مفتی اعظم حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ، فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین کا خصوصی تذکرہ کرنے کے ساتھ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا شاہ اختر امروہویؒ کے ہمراہ سہارن پور حاضری کا تذکرہ کیا ہے، بطور نمونہ ان کے

مضمون سے صرف ایک اقتباس نقل کرتا ہوں:

''حضرت موصوف (فقیہ الاسلام) کو جامعہ عربیہ نورالاسلام اور یہاں کے اساتذۂ کرام وطلبۂ عزیز سے خصوصی انسیت تھی، جس کی بنا پر ہر سال ختم بخاری شریف کے اجلاس میں شرکت فرماتے، یہاں تک کہ انتقال سے دو ماہ پہلے علیل وضعیف ہونے کے باوجود بھی بخاری شریف کے اجلاس کی صدارت فرمائی اور متواتر تین گھنٹے جامعہ ہذا میں جلوہ افروز رہے''۔

سادگی حکیم صاحبؒ کی گھٹی میں گویا رچی بسی تھی، سادہ غذا اور سادہ لباس، رکشہ سے مدرسہ آمد ورفت، بے جا رسوم پر نکیر، معروفات کا حکم، منکرات پر نکیر، عوام کی اصلاح کی فکر اور نئی نسلوں کے مستقبل کو تابناک بنانے کی دھن وغیرہ بعض ایسی صفات ہیں، جن پر حکیم صاحبؒ خود بھی چلتے رہے اور اپنے متعلقین ومعتقدین کو بھی ان صفات ومیزات کا خوگر بنانے کی سعیِ مسلسل کرتے رہے۔

☆☆☆

حکیم محمد اسلام انصاریؒ

(مفتی محمد ثناء الھدی قاسمی)
نائب ناظم امارت شرعیہ، بہار، اڑیسہ

یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز شنبہ صبح حضرت مولانا شاہد صاحب امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ساتھ میٹنگ روم امارت شرعیہ میں بیٹھا، مختلف امور پر تبادلہ کر رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، نمبر عزیزی محمد نظر الہدی متعلم وقف دار العلوم دیوبند کا تھا، انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ آج صبح ساڑھے سات بجے خلیفہ حکیم الاسلام حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری کا وصال ہوگیا، بعد میں مولانا عبد الستار صاحب استاذ حدیث جامعہ عربیہ نور الاسلام سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ دو دنوں سے طبیعت زیادہ علیل ہوگئی تھی، رات میں گردوں نے کام کرنا بند کر دیا تھا اور صبح حادثہ ہوگیا، جنازہ کی نماز بعد ظہر ڈھائی بجے مولانا محمد اسلم صاحب خلف الرشید حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ شیخ الحدیث دار العلوم وقف نے پڑھائی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ لوگوں کی موجودگی میں شاہ پیر قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ سدا رہے نام اللہ کا!

حکیم محمد اسلام انصاری کی ولادت ۲/جون ۱۹۱۸ء محلّہ بھاٹو اڑہ میرٹھ میں ہوئی، انہوں نے پوری ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں داخلہ لیا، اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل وہیں سے کی، پھر طب یونانی کی طرف متوجہ ہوئے اور حکیم محمد اسحاق کٹھوری ثم میرٹھی سے نبض شناسی، تشخیص امراض و معالجہ کی تربیت حاصل کی اور محلّہ شاہ گھاسہ میں اپنا مطب قائم کیا اور اس کو پیشہ وارانہ

کے بجائے غریب مریضوں کی خدمت کا ذریعہ بنایا، جو رقم مل جاتی اس میں سے بقدر کفاف رکھ کر بقیہ ساری رقم جامعہ کے اکاؤنٹ میں ڈال دیتے، شادی میرٹھ کے مشہور خاندان صدیا والا میں ہوئی تھی، اولاد نرینہ نہیں تھی، سات لڑکیاں تھیں تعلیم و تربیت کے بعد سب خوش حال ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں۔تصنیف وتالیف کا اچھا ذوق قدرت نے عطا فرمایا تھا، آپ کی تصنیفات میں قرأت خلف الامام، منع الصالحات، ملت اسلامیہ کی محسن شخصیات، مناجات اسلام، درس بخاری، درس مسلم، تذکیر الاسلام (نو حصے) حیات اختر، التذکرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، جن سے بہتوں کو فائدہ پہنچا۔ جامعہ عربیہ نور الاسلام کی بنیاد شاہ پیر گیٹ میرٹھ میں ۱۹۵۰ء میں ڈالی اور اسے باضابطہ ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث تک پہنچایا، پرشکوہ دیدہ زیب عمارت بنوائی، آج اس کا شمار مغربی یوپی کے مثالی اور معیاری اداروں میں ہوتا ہے۔طریقت کے مراحل مختلف اوقات میں مستری احمد حسن دہرہ دونی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری اور سید آل حسن دیوبندی کی توجہات سے طے ہوئے اور تمام بزرگوں سے خلافت پائی۔ حضرت نانوتوی کے خانوادہ سے عشق تھا؛ چنانچہ ان حضرات کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر ان کے ہو کر رہ گئے، حضرت قاری صاحبؒ سے بھی خلافت پائی اور لوگوں کے اصلاح حال میں اپنے کو کھپا دیا، خانقاہ طیب کے نام سے جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میں مرکز اصلاح قائم کیا، مریدوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، خلافت بھی بہتوں کو دی، حضرت کے نامور خلفاء میں مولانا انظر شاہ کشمیریؒ مولانا ابوالکلام مبلغ دارالعلوم دیوبند، مولانا فریدالدین استاذ حدیث وقف دارالعلوم، مولانا نسیم احمد مظاہری شیخ الحدیث جامعہ نور الاسلام میرٹھ، مولانا عبداللہ مہاجر مدنی بانی مدرسہ تاؤلی مظفرنگر، مولانا عبدالستار استاذ حدیث جامعہ نور الاسلام، مولانا محفوظ الرحمٰن عثمانی وغیرہ قابل ذکر ہیں، احقر بھی حضرت کا

دست گرفتہ تھا، انتہائی شفقت اور توجہ کا معاملہ فرماتے تھے۔ ۲۷ رشوال ۱۴۳۴ھ کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ''الحمد للہ حق تعالی نے آپ کو فطری طور پر قلب کی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور بعض دفعہ فطری صلاحیت اکتسابی صلاحیت سے بڑھ جاتی ہے، سو الحمد للہ یہ صلاحیت عطیہ حق سے موجود ہے، اس لیے مناسب ہے کہ آپ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی بہرہ ور فرمائیں اور مخلوق کی دینی اور اخلاقی تربیت کی طرف توجہ فرمائیں جو بھی طالب صادق آئے اسے توبہ کرادیا کریں، ہمارے مشائخ میں تسبیحات ثلاثہ، کلمہ تمجید استغفار اور درود شریف کا معمول ہے اس کی ایک ایک تسبیح صبح وشام پڑھنے کی تلقین فرمادیا کریں، تلاوت قرآن شریف، حسب استطاعت کی تاکید فرمادیں اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی بتلادیا کریں، حسب ذوق وشوق شجرہ پڑھنے کو بھی فرمادیں، جو پڑھے لکھے ہوں انہیں بالخصوص حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی کتب کے مطالعہ کی تلقین فرمادیں، بہرحال طالبین کو محروم نہ فرمائیں میں اس کی آپ کو اجازت دیتا ہوں، حق تعالی اکابر مشائخ کی راہ پر چلائے اور بر وتقوی کی توفیق دے آمین،'' حضرت کے معمولات اور تعلیمات کو سمجھنے کے لیے یہ خط کافی ہے، اسی لئے من وعن نقل کیا گیا، حضرت کے بعد مسند ارشاد سونی نہ ہو، اس وجہ سے حضرت کے نواسے مفتی سید احمد کو جو حضرت کے خلیفہ بھی ہیں، سجادگی بخشی گئی ہے اور حضرت کے خلفاء نے دستار بندی کرکے باضابطہ اس کا اعلان کردیا ہے، اور جامعہ عربیہ نورالاسلام کے انتظام وانصرام کے لیے بھی موصوف کا انتخاب عمل میں آیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حضرت کی قبر کو نور سے بھردے، ان کی خدمات کا اپنے شایان شان بدلہ دے، مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل اور جامعہ نیز خانقاہ طیب کے فیوض کو عام وتام کرنے کی دعا پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

☆☆☆

﴿طبیب روحانی و جسمانی کا حسین امتزاج﴾

(مولانا فریدالدین قاسمی)

استاذِ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ ہنس مکھ، اکہرے جسم، متوسط قد اور خد و خال ایسے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو سرور حاصل ہوتا اور جو کوئی شخص آپ سے ملاقات کرتا، ان کو وحشت کی بجائے انسیت حاصل ہوتی، دل کو سکون میسر آتا، خوش حال، منکسر المزاج ہشاش بشاش چہرہ متفکر، امت کی زبوں حالی پر نالاں، حضرت علیہ الرحمہ کو غمِ ذات نہیں، غمِ امت تھا، پیشانی اس کی ہر وقت غمازی کرتی، حضرت حکیم صاحبؒ جہاں طبعًا سلیم تھے، وہیں مزاجاً حلیم بھی تھے، حلم و بردباری اپنے اساتذہ و مشائخ سے حضرت کو بطور میراث حاصل ہوئی تھی، بالخصوص آپ کے مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہ سے یہ ممتاز وصف ورثے میں ملا تھا، عفو و درگزر اور اخفاء و چشم پوشی کا ملکہ خالقِ کائنات نے آپ کو وافر مقدار میں عنایت فرمایا تھا:

شکوہ تو شکوہ لبوں پر اف بھی لایا نہیں کرتے

کا مصداق تھے، اپنے اساتذہ و مشائخ کرام کا غایت درجہ احترام فرماتے اور نہایت عقیدت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، اپنے استاذ یا شیخ کا ذکرِ خیر اگر کسی کی زبانی سنتے، تو فوراً ان کے منہ سے اچک لیتے اور اپنے خاص انداز میں اسے بیان فرمانا شروع کر دیتے، راقم الحروف نے حضرت صاحبِ ہدایہ علیہ الرحمہ کے حالات میں پڑھا ہے کہ حضرت اپنے اساتذہ کا احترام تو فرماتے تھے ہی، ان کی اولاد و احفاد تک کا احترام کرتے تھے،

حضرت صاحبِ ہدایہ اپنی تصنیفی یا تدریسی کام میں مصروف تھے کہ اسی اثنا میں خانوادۂ استاذ کا ایک چھوٹا سا بچہ جو پورے طور پر اپنے پاؤں سے چل نہیں سکتا تھا، لڑکھڑاتا ہوا آپ کے سامنے آیا، تو آپ اپنا کام چھوڑ کر اس بچے کو گود میں اٹھا لیتے ہیں کہ مبادا استاذ زادے کو گر کر کوئی چوٹ نہ آجائے، بعینہٖ اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہوئے راقم نے حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کو دیکھا ہے کہ جس طرح کی عظمت اور قدر و منزلت اپنے شیخ کی دل کے اندر ہے، اسی طرح کی عظمت استاذ اور شیخ کے اصاغر کی ان کے دل میں قائم ہے، غرض کہ شیخ کی قدر کے ساتھ فرزندانِ شیخ کی بھی قدر کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ سب کی نگاہ میں معظم و معزز تھے۔

خاموشیِ طبع:

حضرت حکیم صاحبؒ خاموش طبع تھے، اکثر خاموش رہا کرتے تھے اور اس خاموشی میں بھی نصیحت ہوتی تھی، روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”من صمت نجا“ یعنی آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے خاموشی اختیار کر لی، اس کو نجات مل گئی، گویا حضرت کی خاموشی سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ بلا ضرورت تکلم سے گریز کرو، خاموشی اختیار کرو کہ خاموشی نجات کی ضامن ہے، حضرت ملا علی قاری شارحِ مشکوۃ علیہ الرحمہ حدیث شریف کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”نجا أي فاز، وظفر بكل خير أو نجا من آفات الدارين“. (یعنی جس نے خاموشی اختیار کی، وہ ہر طرح کی خیر کے ساتھ کامیاب و ظفر یاب ہو گیا، یا پھر اس کو دارین کی آفات و بلیات سے نجات مل گئی، گویا حضرت علیہ الرحمہ کی خاموشی موجبِ ظفر یابی تھی اور جب لب کشائی کرتے، تو فرمانِ باری عز اسمہ (وقولوا للناس قولاً حسناً) کا

مظہر نظر آتے، آپ کی گفتگو پند و نصائح پر مشتمل ہوتی، کلام میں شیرینیت پائی جاتی تھی۔

اخلاقِ فاضلہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"ان من احبکم الي احسنکم اخلاقاً". (البخاری)

تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے، جو تم میں سے سب سے زیادہ با اخلاق ہو، حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کے اچھے ہونے کا مدار ان کے اخلاق ہیں، جس قدر اخلاق اچھے ہوں گے ان کی اچھائی ثابت ہوتی چلی جائے گی، ہر نبی اپنے دور میں بنی آدم میں سب سے زیادہ با اخلاق ہوتے تھے اور نبی آخر الزماںؐ کو خلقِ عظیم عنایت فرمایا گیا اور بطور سند کے قرآن کریم میں یہ اعلان فرما دیا گیا کہ: "وانک لعلی خلق عظیم". (بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) حلم و بردباری، عفو و کرم اور امانت و دیانت میں نبوت سے قبل بھی ممتاز تھے اور نبوت سے سرفرازی کے بعد ان میں مزید بلندی و وسعت آ گئی تھی، آپ کے اخلاق کا پرتو امت پر ضرور پڑتا ہے، درسگاہ نبوت کے تلامذہ کے طبقہ اُولیٰ نے مخزنِ ذکر و فکر اور منبعِ علم و عشق سے خوب خوب استفادہ کیا، اس کے بعد آنے والوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اور خداداد توفیق کے موافق فیض حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان ہی خوش نصیبوں میں ایک خوش بخت مردِ مومن حضرت حکیم محمد اسلام صاحب علیہ الرحمہ تھے کہ وہ اپنے اساتذۂ کرام اور مشائخِ عظام کی توجہات و عنایات کے باعث اخلاقِ کریمہ و خصائلِ حمیدہ کے پیکر بن گئے اور فرمانِ نبوت: "من لم یرحم صغیرنا ،ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا." کا مصداق بن گئے، بڑوں کی عظمت و توقیر سے متعلق راقمِ سطور نے ذکر کیا ہے اور

شفقت ورأفت کا عالم یہ تھا کہ خوردوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کی فروگذاشت پر درگزر اور چشم پوشی فرمایا کرتے تھے، نیز حضرت کے اندر خوردنوازی بھی کمال درجے کی تھی، مریضوں کی تیمارداری اور مدرسہ کے طلبہ واساتذۂ کرام کی خبرگیری آپ کے اوصاف جمیلہ میں سے تھی، حالات سے مایوس انسانوں کی اشک سوئی وحوصلہ افزائی فرماتے، جس سے بےآس لوگوں کو آس مل جاتی اور تسکین ہوجاتی۔

حضرت حکیم صاحب ضعف ونقاہت کے باوجود اپنے مقررہ وقت پر مطب تشریف لاتے، مریضوں کو نسخۂ شفا عنایت فرماتے، رب کائنات نے حضرت حکیم صاحب کو تجویز وتشخیص کا اچھا ملکہ عنایت فرمایا تھا، حق جل مجدہ نے آپ کو دستِ شفا عنایت فرمایا تھا، جس سے بفضلِ خداوندی مریضوں کو شفایابی ہوتی تھی، علماء اور طلباء کا تو فی سبیل اللہ علاج فرمایا کرتے تھے، ان سے دوا تک کی قیمت لینے سے انکار فرمادیتے تھے؛ بلکہ بغرضِ علاج آنے والے طلبہ اور علماء کے ساتھ الطافِ خسروانہ کا برتاؤ فرماتے تھے، ان کریمانہ اخلاق وعادات کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرجعِ خلائق بنادیا تھا، آپ کی نشست گاہ مطب بھی تھا اور خانقاہ بھی تھی، روحانی اور جسمانی مریض آپ کے پاس آتے اور اپنا درد آپ کو سناتے اور ہر شخص کا آپ مداوا فرماتے تھے، ادویاتِ مادی کے ساتھ نسخۂ روحانی بھی عنایت فرماتے، نسخۂ اکسیر کے ساتھ تذکیر بھی ہوتی اور نہایت نرم خوئی کے ساتھ اصلاح کا بھی عمل جاری رکھتے۔

تنقیۂ دماغ کے ساتھ تزکیۂ قلب بھی فرماتے، ظاہر کی درستگی کے ساتھ باطن کی پاکیزگی بھی عطا کرتے، مزید اذکار کے انوار سے قلوب کو معمور کرنے کی غرض سے ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ نورانی وعرفانی مجلس قائم ہوتی، مجلس میں متعلقین ومنتسبین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی اور حضرت کی صحبتِ بافیض سے مستفیض ہوتی، اس مجلس میں کچھ دیر تک

حضرت اقدس حکیم الامت علیہ الرحمہ کی کتاب پڑھ کر حاضرین کو سنائی جاتی، پھر حضرت کچھ نصیحت فرماتے، اسلاف واکابر کے روح پرور، ایمان افروز واقعات سناتے، پھر ذکر کا ایک سماں ہوتا "لاالہ الااللّٰہ" کی ضربیں لگتیں، جس سے کیف آگیں اور فرحت بخش ہلکی سی ایک گونج ہوتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ رحمت کی گھٹائیں ذاکرین پر محیط ہیں اور فرشتے ان پر سایہ فگن ہیں، اخیر میں حضرت علیہ الرحمہ کی دعاؤں پر مجلس کا اختتام ہوتا، باتیں ان کی گہر بار ہوتیں، تو دعائیں اشکبار، گویا آپ کی ذات طبیبِ روحانی اور جسمانی کا حسین امتزاج تھی۔

یہ جملہ زبان زدِ خلائق ہے کہ اللہ والا شخص وہ ہے، جسے دیکھ کر اللہ یاد آجائے؛ چنانچہ اس کی تائید قول رسول سے بھی ہوتی ہے، حدیث ہے:

"عن اسماء بنت یزیدانها سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الا انبئکم بخیارکم، قالوا بلیٰ یارسول الله، قال خیارکم الذین رؤا ذکر الله." (ابن ماجہ)

حضرت اسماء بنت یزیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے بہترین انسان کا پتا نہ بتاؤں، اس پر صحابۂ کرامؓ نے سراپا شوق بن کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ضرور بتائیں، آپؐ نے اپنے اصحاب کا شوق اور سچی طلب دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین انسان وہ ہیں، جنھیں دیکھ کر خدا یاد آجائے۔

اس حدیث میں بہترین لوگوں کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ خدا کے وہ نیک صالح عبادت گزار بندے جو اللہ رب العزت کے ساتھ اپنے کمالِ تعلق واختصاص کی بنا پر ایسے درجے پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کے احوال وکردار، عادات واطوار اور حرکات وسکنات پر انوار وآثارِ الٰہی ہویدا ہوجاتے ہیں اور ان کے چہرے پر عبادت گزاری اور اتباعِ دین و شریعت کی وہ علامتیں ظاہر ہوجاتی ہیں کہ جب ان کے جمال پر نظر پڑتی ہے، تو بے ساختہ

خدا یاد آجاتا ہے اور دل پکار اٹھتا ہے کہ یہی وہ نیک بندے ہیں، جو کامل عبودیت کے حامل اور کائناتِ انسانی کا خلاصہ اور انوارِ الٰہی کے مظہر ہیں۔

بعض حضرات نے خدا یاد آجانے کے یہ معنیٰ بیان کیے ہیں کہ خدا کے ایسے نیک وصالح بندوں کو دیکھنا گویا ذکرِ الٰہی میں مشغول ہونا ہے، جیسا کہ علماء نے لکھا ہے کہ عالمِ دین کے چہرے پر نظر ڈالنا عبادت اور عینِ سعادت ہے اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ بسا اوقات کسی مردِ صالح اور شیخِ کامل کے چہرے پر نظر پڑتے ہی باطن میں ایسی نورانیت محسوس ہوتی ہے، جس سے دل روشن ہوجاتا ہے۔

خالقِ کائنات نے حضرت حکیم صاحب کو اسی طرح کی صالحیت اور عبودیتِ کاملہ عنایت فرمائی تھی کہ ان کو دیکھنا ذکرِ الٰہی کا باعث بنتا تھا، جن کا چہرہ ''**سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود**'' کا مظہر تھا؛ لہٰذا ان کا دیدار درونِ قلب میں نورانیت پیدا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت علی کے بارے میں نبیؐ نے ارشاد فرمایا: ''**النظر علی وجہ علیؓ عبادۃ**'' یعنی حضرت علی کے چہرے پر دیکھنا بھی عبادت ہے، اہل اللہ کا چہرہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ دیکھنے سے اللہ کی یاد آجاتی اور زبان پر اللہ اللہ جاری ہوجاتا ہے، کچھ ایسا ہی حال حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ کا تھا؛ البتہ ہر ایک شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق اہل اللہ سے مستفیض ہوتا ہے، اخیر میں دعائیہ کلمات کے ساتھ اپنا قلم روکتا ہوں کہ رب کریم حضرت علیہ الرحمہ کو دارِ رحمت میں مقامِ کریم نصیب فرمائے اور ہم سب کو ان کے فیوض سے مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ (**آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامینؐ واصحابہ اجمعین**).

☆☆☆

﴿وہ اکابر و اسلاف کا نمونہ تھے﴾

(مفتی محمد عارف قاسمی)

استاذِ حدیث وتفسیر دارالعلوم وقف دیوبند

اس کائنات میں بقاودوام کسی کو حاصل نہیں، باقی رہنے والی ذات صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ”**کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال و الاکرام**“.

نظامِ قدرت ہے کہ کسی کے آنے جانے سے نظامِ طبعی پر کوئی فرق نہیں پڑتا؛ لیکن بعض حادثات وواقعات ایسے ہوتے ہیں، جو دل ودماغ کو رنج والم کے اثرات سے متاثر کرجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق وصلاحیت سے کچھ لوگ ستاروں کی طرح چمکے، آفتاب وماہ تاب بن کر جہالت وگمراہی کا مقابلہ کیا، علم ومعرفت کی روشنی علمائے دیوبند کے توسط سے دیوبند میں نمودار ہوئی اور چہار دانگِ عالم میں پھیل گئی، علم ومعرفت اور سلوک وطریقت کے اجالے پھیلانے والوں کا مقدس قافلہ آج تک اس منزل کی طرف رواں دواں ہے، جو مقامِ رضا کہلاتی ہے، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ، جو علم وفضل، اخلاص، اتباعِ سنت میں اعلیٰ ارفع، مرجعِ خلائق، معلومات کا خزانہ، زہدوتقویٰ کا پیکر ومجسمہ اور اکابر واسلاف کا نمونہ تھے، آپ ان عظیم ہستیوں میں سے تھے، جن کے وجود سے علم وعلماء کا وقار قائم ہوتا ہے، اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد ہوتی ہیں، جو خود بیقرار ہوکر دوسروں کی راحت کا سامان کرتے ہیں، خودنمائی سے دور ایک ہمدرد، انتہائی خلیق وملنسار تھے، آپ کے وجود سے چمنِ اسلام

سرسبز وشاداب رہا، تواضع وانکساری کا پیکر، گفتار ورفتار سے، نشست وبرخاست سے وقار جھلکتا تھا، آپ نے دنیا والوں کو تقویٰ وطہارت، ہدایت واستقامت، توکل واستغناء کی دولت عطا کی، حضرت علیہ الرحمہ کو من جانب اللہ محبوبیت ومقبولیت حاصل تھی، حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں، تو اس کے بارے میں حضرت جبریل سے فرمادیتے ہیں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اورساتھ ہی یہ بھی فرمادیتے ہیں کہ جاؤ اور دنیا والوں کے دلوں میں اس بندے کی محبت ڈال دو، اللہ رب العزت نے حضرت کے فیوض کو عام کیا ہے، ان کا ہر ہر قدم اسلام کی تفسیر ہے، فنافی اللّٰہیت اور سید الکائنات ﷺ سے وارفتگی ظاہر کرتی ہے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ قوم وملت کے لیے وقف تھا۔

حضرت حکیم صاحبؒ کا والد ماجد حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ سابق نائب مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند سے بڑا گہرا اور قلبی تعلق تھا، والد مرحوم گاہے بگاہے حضرت سے ملاقات کے لیے میرٹھ تشریف لے جایا کرتے تھے، اگر ملاقات ہوئے زیادہ عرصہ ہوجاتا، تو حضرت حکیم صاحب خود یاد فرمایا کرتے، دارالعلوم وقف اور متعلقین کے احوال دریافت فرماتے، احقر کا بھی حضرت سے نیاز مندانہ ومسترشدانہ تعلق تھا، بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، دعاؤں سے نوازتے تھے، حضرت کی شفقت ہی ہے کہ احقر کو بیعت فرماکر اجازت کی دولت سے سرفراز فرمایا، حضرت کے مزاج میں بڑی لطافت ونفاست تھی، اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیاوی دولت سے بھی خوب نوازا تھا، مگر دنیا کی محبت ان کے دل میں نام کو نہ تھی، طریقِ اصلاح بھی منفرد تھا، بلاشبہ ان کی وفات "**موت العالم موت العالم**" کی مصداق ہے اور یہ کسی فرد یا کسی خاندان کا سانحہ نہیں؛ بلکہ پوری ملت اور امت کا سانحہ ہے، البتہ یہ جدائی عارضی ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں؛ بلکہ اب جو ملاقات ہوگی

وہ دائمی ہوگی، پھر کبھی جدائیگی نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کا ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ خاتمہ فرمائے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کے تلامذہ، مریدین اور خلفاء بے شمار ہیں، جو دین کی دعوت وتبلیغ میں مصروف ہیں، بالخصوص حضرت کے نواسہ حضرت مولانا مفتی سید احمد قاسمی صاحب مہتمم جامعہ نورالاسلام میرٹھ، خصوصی تربیت یافتہ اور حضرت کے نقشِ قدم پر قائم ہیں اور سبھوں سے قدیم تعلقات کو قائم رکھے ہوئے ہیں، دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت والا کی مغفرت کاملہ فرمائے، جنت الفردوس میں مقامِ کریم عطا فرمائے اور ہم اصاغر کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

﴿میرے استاذ ، میرے مربی﴾

(مفتی محفوظ الرحمن عثمانی)

دنیا میں کچھ برگزیدہ افراد اپنے فکر وعمل سے ایسے نقوش چھوڑ گئے جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، ایسے ہی کچھ رجال کو قریب سے دیکھنے، برتنے اور ان کے فیض سے استفادہ کرنے کا موقع راقم الحروف کو میسر ہوا، اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں جن چند بزرگوں نے متاثر کیا، جن کی خوبیوں کا میں ہمیشہ معترف رہا اور جن کی دعائے سحر گاہی کا میں مرہون منت ہوں ان میں علمائے دیوبند کے عاشق، دین وشریعت کے محافظ اور ایک سادہ سی زندگی گذارنے والے عظیم انسان حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کا مقام کافی بلند ہے۔ یقیناً حضرت حکیم صاحب اس عہد کے ان ممتاز لوگوں میں تھے جن کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری صاحب ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، وہ علم وتحقیق کے شناور بھی تھے اور دین ودعوت کے مبلغ بھی، انہوں نے سماجی بیداری اور اصلاح معاشرہ کا بھی کام کیا اور عام مسلمانوں کے اتحاد کے لیے بھی سرگرم رہے، چنانچہ ان کی سرگرمیوں کا محور ایک طرف ان کا قائم کردہ عظیم دینی ادارہ جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ تھا تو دوسری طرف ان کا مطب بھی دین ودعوت اور اصلاحی مرکز سے کم نہ تھا جہاں وہ بیٹھ کر نہ صرف لوگوں کے جسمانی علاج ومعالجہ کا کام انجام دیتے تھے بلکہ وہ ہر آنے والے کے ذہن ومزاج کی تربیت اور بھٹکے ہوؤں کی صیقل گری کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ میرٹھ شہر چونکہ آزادی سے قبل بھی جدوجہد آزادی کا مرکز تھا اور آزادی کے بعد بھی

جملہ ملی وسیاسی سرگرمیوں کی سرپرستی کرتا رہا ہے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ میرٹھ شہر سے جتنی مثبت وتعمیری تحریکات اٹھیں ان میں حضرت حکیم صاحب کا اہم رول رہا ہے، لیکن وہ نہ اخباروں کی سرخیوں میں کبھی نظر آئے اور نہ کسی اسٹیج پر ہی لوگوں نے دیکھا، وہ نہیں سادہ مزاج اور خموش رہ کر کام کرنے کے عادی تھے، چنانچہ ان کے ہاتھوں سے افرادسازی، ملی اتحاد اور دینی تعلیم کے فروغ کے بہت سے کام انجام پائے لیکن اکثر لوگوں کو حضرت حکیم صاحب کے قائدانہ رول کا علم نہ ہوسکا۔ بلاشبہ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

راقم الحروف ۱۹۸۲ء میں اپنے وطن مالوف سے پہلے سہارنپور پھر دیوبند اور بعد میں جامعہ نورالاسلام میرٹھ حصول تعلیم کی غرض سے حاضر ہوا، وہاں داخلہ بند ہوگیا تھا لیکن بھائی مظاہر جو پیتے کے تاجر تھے، مجھے حضرت حکیم صاحب کے مطب پر لے گئے اور داخلہ کی سفارش کی تو وہ خاموش رہے، ان کی یہ عادت تھی کہ کسی کی بات کو سن کر اثبات یا نفی میں فوراً کچھ نہ کہتے، میں نے سمجھا کہ درخواست قبول نہیں ہوئی لیکن کچھ دیر بعد آپ نے داخلہ کی اجازت دے دی۔ اس زمانے میں مولانا صادق حسین قاسمی، مولانا بشیر احمد قاسمی، مفتی علیم الدین جوہر قاسمی، مولانا عبدالستار احراض، مولانا نسیم احمد، قاری عبدالرحیم، قاری عبدالقیوم، قاری محمد شفیق، منشی محمد عاقل، مولانا جمیل سکروڈوی وغیرہ جامعہ نورالاسلام میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ تمام اساتذہ سے حکیم صاحب بے پناہ محبت کرتے تھے اور اس سے بھی زیادہ انہیں طلبہ عزیز تھے، چنانچہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ کسی طالب علم کو ڈانٹا ہو یا کسی استاذ پر سخت ناراض ہوئے ہوں۔ وہ تو طالبان علوم نبوت کے لیے نہایت نرم گوشہ رکھتے تھے اور اساتذہ کا اکرام ان کا شیوہ تھا۔

جامعہ نورالاسلام میں درجہ عربی چہارم میں میرا داخلہ ہوا، اس زمانے میں حضرت حکیم صاحبؒ عشاء کے بعد مدرسہ کی مسجد میں گلستاں وبوستاں پڑھاتے تھے، جب یہاں

بخاری کا درس شروع ہوا تو کبھی کبھار بخاری کا بھی درس دیا کرتے تھے۔ مجھے بھی ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، پہلی بار جب حضرت حکیم صاحب کو دیکھا تھا تو کوئی خاص تاثر قائم نہ ہوسکا تھا، رفتہ رفتہ ان کی تدریسی مہارت کا سکہ دل و دماغ میں بیٹھتا چلا گیا، وہ کبھی کتاب کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے تھے لیکن جب کوئی طالب علم کوئی غلطی کرتا تو فوراً پکڑ لیتے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے انہیں یہ کتابیں ازبر یاد ہوں، گرچہ وہ ایک نباض حکیم تھے لیکن ان کا دل درس وتدریس میں زیادہ لگتا تھا۔ وہ نظام بھائی رکشہ والے کے ساتھ رکشہ میں جامعہ نورالاسلام آتے، ہاتھ میں ایک کپڑے کا تھیلا اور چابی کا چھلہ ہوتا، نہ ہٹو بچو والی کیفیت اور نہ مدرسے کے اساتذہ پر سخت نگاہی، بلکہ نہایت آسانی سے آتے اور خموشی سے چلے جاتے۔ نہ کسی طالب علم یا استاذ کی غلطیاں ڈھونڈتے اور نہ کسی بات پر اپنے ماتحتوں کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آتے، بلکہ وہ تو غلطیوں کو نظر انداز کرنے والے تھے، البتہ طلبہ اور اساتذہ سے بارہا انتظامیہ کے تئیں وفاداری اور ہمدردی کی تلقین ضرور کرتے تھے۔ سادگی، علمی متانت اور ان کی ہر دلعزیزی کا ہر شخص معترف تھا۔

میں نے جامعہ نورالاسلام کو چھوڑنے کے بعد دارالعلوم وقف دیو بند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا اور فراغت کے بعد اپنی دیگر سرگرمیوں میں مصروف ہوگیا لیکن میرا تعلق حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ سے قائم رہا۔ جب میں نے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی تو اس وقت بھی ان سے دعائیں لیں اور ایک موقع ایسا بھی آیا جب مجھے ساؤتھ افریقہ جانا تھا جہاں ان دنوں جمعیۃ علماء ٹرانسوال کی سفارش کے بغیر کسی مدرسہ کے تعاون کی راہیں نہیں کھلتی تھیں، میں نے اپنی غرض حضرت حکیم صاحب کے سامنے رکھی تو وہ مجھے لے کر ہاپوڑ روڈ پر واقع جامعہ محمودیہ لے کر گئے جہاں مفتی فاروق صاحب سے کہا کہ میں اپنے ایک معتمد کو لے کر آیا ہوں تو مفتی محمد فاروق صاحب نے

ساؤتھ افریقہ کے دو بڑے عالم دین مولانا عباس علی جینا اور مولانا شبیر احمد سالوجی کے نام ایک خط لکھ کر دیا، جس کی وجہ سے ساؤتھ افریقہ میں جامعۃ القاسم کے تعارف وتعاون کا دروازہ کھلا۔

ایک طویل عرصہ گذرا، جب جب بھی مجھے موقع ملتا میں حضرت حکیم صاحب سے ملاقات کرتا، اپنی سرگرمیوں سے انہیں باخبر کرتا، ان کی خیرت معلوم کرتا اور وہ ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے، ایک دفعہ جامعہ نورالاسلام کے شیخ الحدیث مولانا نسیم احمد صاحب کے ہمراہ ملاقات کے لیے میں مطب میں حاضر ہوا، ملاقات ہوئی اس کے بعد پاس کی ہی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد حضرت حکیم صاحب سے میں بیعت ہوگیا اور حضرت نے مجھے خلافت واجازت کی ایک تحریر عنایت فرماتے ہوئے خوب دعائیں دیں۔

میرے شیخ ومربی حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب یوں تو ہر انسان کے دکھ وتکلیف میں غمگساری اپنا فریضہ تصور کرتے تھے لیکن اگر کسی طالب علم کو کسی مصیبت میں دیکھتے تو وہ تڑپ جاتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا اسی زمانے میں مولانا اخلاق الرحمٰن مظاہری جو اس زمانے میں طالب علم تھے، کی آنت پھٹ گئی اور حالت نہایت غیر ہوگئی، ڈاکٹروں نے میرٹھ ریفر کردیا، میں نے اپنے چند احباب کی مدد سے وہاں نوسو روپے چندہ کیا اور انہیں لے کر میرٹھ آگئے، یہاں حضرت حکیم صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے اس کے آپریشن کے سارے اخراجات خود ادا کیے، اسی طرح میری معلومات کے مطابق جامعہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب کے پوتے مولانا مختار اسعد اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حسین احمد عرف علامہ بہاری کا بھی علاج انہوں نے نہایت

خاموشی سے کروایا تھا۔ان کے علاوہ درجنوں واقعات ایسے ہیں جنہیں تو لوگ جانتے ہیں لیکن ان کے تعاون و مدد کے سیکڑوں واقعات ایسے بھی ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء سے ان کو بے پناہ محبت تھی، خاص طور پر خانوادہ قاسمی کے تو وہ عاشق تھے، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب چند جانثاروں میں ان کا شمار کیا جاسکتا ہے، چنانچہ جب دارالعلوم دیوبند ہنگامہ کی نذر ہوا اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی ساٹھ سالہ خدمات کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش ہوئی چنانچہ حضرت قاری صاحب کو دارالعلوم دیوبند سے علاحدگی اختیار کرنی پڑی تو اس وقت جن چند لوگوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹے تھے ان میں حضرت حکیم محمد اسلام صاحب سب سے نمایاں تھے، میری معلومات کے مطابق حضرت حکیم صاحب ،مولانا محمد علی شیر میوات اور حکیم الدین کٹھوری حضرت قاری محمد طیب صاحب کے سب سے ہمدرد و غمگسار بن کر سامنے آئے تھے۔حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت حکیم صاحب نے جملہ روابط و تعلق خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی سے تاحیات قائم رکھا۔جامعہ نورالاسلام کا جلسہ ہو کہ ختم بخاری کا، ہر موقع پر حضرت مولانا سالم صاحب کو مدعو کیا جاتا، حضرت حکیم صاحب ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے، ایک دفعہ کے جلسے کے اشتہار میں حضرت مولانا سالم صاحب کا نام نیچے چھپ گیا تو یہ بات حضرت حکیم صاحب کو گوارا نہ ہوئی اور اس کام کے ذمہ دار منشی کو ڈانٹ ڈپٹ کیا اور دوبارہ اشتہار چھپوا کر ان کا نام مناسب جگہ پر شائع کیا۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری صاحب کہتے تھے کہ تم ادارہ چلاتے ہو تو اپنا دسترخوان کشادہ رکھو، طلبہ، ائمہ اور ملت کے ضرورت مندوں کو کبھی فراموش نہ کرنا، یاد رکھو ڈھول کی آواز دو کوس اور توے کی آواز سو کوس، یہ حقیقت ہے کہ گھنٹہ کی

آواز تو بہت دور تک جاتی ہے لیکن توے کی آواز دور تک بھی جاتی ہے اور دیر تک اس کے اثرات باقی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے اور موصوف کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

آہ! مرشدنا الحکیمؒ

(مولانا محمد الیاس مظاھری)
شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ پانولی، ضلع بھروچ، گجرات

الحمدلله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سیدنا محمدبن عبدالله الامین وعلی آله، واصحابه اجمعین اما بعد!

ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں
ہوتا ہے اِک بہشت کا دانہ ہزار میں

شیخِ طریقت، فخر الاماثل، عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ ۲۰ /جنوری ۱۹۱۸ء میں ہندوستان کے مشہور ومعروف صنعتی شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ میں داخل ہوئے، ظاہری علوم کی تکمیل اپنے مشفق ومحسن استاذ محدثِ وقت حضرت مولانا اختر شاہ صاحب امروہوی رحمہ اللہ اور دوسرے کبارِ اساتذہ سے کی، اس کے بعد آپ کو محبتِ الٰہی کی سوزش اور تڑپ کی بنا پر باطنی علوم اور فیوض وبرکات کی نسبتیں حاصل ہوئیں، سلوک وتصوف کے درجات طے فرمائے، قاسم العلوم والخیرات بانیِ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین اور حکیم الامت تھانویؒ کے گنجینۂ علوم وحکم کے سرچشمہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے اجازت وخلافت کے شرف سے نوازا، آپ نسبتِ قاسمی اور تھانوی سے سرفراز ہوئے، سرزمینِ میرٹھ کی عظیم روحانی ہستی حضرت مولانا سید آل حسن صاحبؒ لال کرتی میرٹھ کے فیضِ باصفا کے علمبردار بنے، مرشدنا المکرّم حضرت حکیم صاحب کو اللہ رب العزت نے بڑی

عظیم اور عجیب ظاہری و باطنی خوبیوں سے نوازا تھا، حضرت والا کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات نے آپ کو دینِ متین کی عظیم خدمات اور عام لوگوں کی ظاہری و باطنی جسمانی و روحانی اصلاح ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا۔

جامعہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ، جو مغربی یوپی کے روحانی اور امت کو فیض پہنچانے والے اداروں میں سے ایک مرکزی ادارہ ہے اور جو راقم الحروف کی مادرِ علمی بھی ہے، حضرت حکیم صاحب کا لگایا ہوا گلشن ہے، خدائے کریم اس کی مزید آب یاری فرمائے اور سدا بہار بنائے، جامعہ نورالاسلام آج جس عظیم شکل میں موجود ہے، وہ حضرت والا کی زندگی کی کرامتی یادگار ہے، جہاں اس وقت تقریباً پانچ سو طلبائے دین اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں، جامعہ نے اب تک پندرہ سو سے زیادہ علماء وفضلاء اور حفاظ وقرا ملک وملت کو پیش کئے ہے، جو ملک اور بیرونِ ملک دینِ متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور سنت نبویہ کی ترویج میں لگے ہوئے ہیں، حضرت والا نے جامعہ نورالاسلام کو ۱۹۵۰ء میں قائم فرمایا اور ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ چھوٹا سا پودا ایک تناور درخت بن گیا، جو آج عظیم قلعہ معلوم ہوتا ہے اور آج اس میں مخلص و باکمال اساتذۂ کرام، محنتی خدام اور کارندوں کی ایک بڑی تعداد مصروفِ خدمات ہے۔

حضرت والا کے ذریعے حق تعالیٰ نے بالخصوص سرزمین میرٹھ اور اس کے اہالیان کو روحانی اور اللہ تعالیٰ کے قرب سے جوڑنے والی نعمتیں عطا فرمائیں، ایک نعمت جامعہ نورالاسلام کی علمی و روحانی شکل میں اور دوسری نعمت رشد و ہدایت، بیعت و سلوک اور اللہ سے جوڑنے کی خانقاہی شکل میں، حضرت والا کی خانقاہ آج بھی جامعہ نورالاسلام میں موجود ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے متلاشی بندوں کی لائن لگی رہتی ہے اور اس ایمانی و عرفانی میکدے میں پہنچ کر پیاسے بندوں کی پیاس بجھ جاتی؛ بلکہ یوں کہیے کہ کہ کیفیت یوں ہو جاتی تھی کہ:

مے کدے میں پہنچ کر جو پی دوستو
تشنگی اور بھی بڑھ گئی دوستو

اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے ان دونوں نعمتوں کو باقی وجاری رکھے اور نعم البدل جانشین پیدا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو روحانی طبیب بنایا تھا اور ہزاروں بندوں کو اللہ سے جوڑنے والا اور آخرت کی نعمتوں اور بھلائیوں کی طرف رہنمائی کرنے والا بنایا تھا، وہیں خدائے کریم نے آپ کو ظاہری وجسمانی طبیب بھی بنایا تھا؛ چنانچہ طبابت آپ کا پیشہ تھا اور وہی حکمت وطبابت آپ کا ذریعۂ معاش تھی، اس پیشے سے آپ کو وافر روزی ملتی تھی اور اس روزی کو طلباء وعلماء اساتذۂ مدرسہ اور اہل اللہ پر خرچ کرتے تھے، فیاض ازل نے آپ کو بڑی وسیع الظرفی عطا فرمائی تھی، اتنی وسعت کے باوجود خود نہایت سادگی کی زندگی بسر کرتے اور دوسروں کو نوازتے رہتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے، نہایت سادہ مزاج، بے تکلف طبیعت، احباب پرور اور مستغنی تھے، سادہ مزاجی کا تو حال یہ تھا کہ ساری وسعتوں کے باوجود عام علماء کی طرح عبا وقبا، جبہ ودستار حضرت والا کا لباس نہیں تھا، ان کے جسم پر ایک سفید کرتا اور پائے جامہ، سر پر ایک گول ٹوپی اور پاؤں میں نہایت کم قیمت کا ناگرہ جوتا ہوتا تھا، قیمتی لباس اور زرق برق پوشاک کبھی جسم پر دیکھی نہیں گئی، جسم کی آرائش وزیبائش آپ کو پسند نہیں تھی، آپ کی زندگی زاہدانہ تھی، گویا دنیا کی عیش وعشرت سے تمام وسعتوں کے باوجود طبیعت متنفر ہوچکی تھی، جس کی ایک ادنیٰ سی مثال یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی جو مالی فراوانی عطا فرمائی تھی، اس کے پیشِ نظر اعلیٰ سے اعلیٰ چار پہیے والی جون سی بھی گاڑی چاہتے، استعمال فرماسکتے تھے جیسا کہ رؤسا اور مال داروں کا طریقہ ہے؛ لیکن دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ فنا فی اللہ اس قلندر نے کبھی فورویلر گاڑی کو اپنی ملک میں نہ آنے دیا اور نا ہی کبھی اس کی چاہت کی؛ بلکہ ہمیشہ پوری طرح سائکل رکشہ

استعمال فرمایا، اسی سے مطب تشریف لے جاتے، اپنے ذاتی پروگراموں میں شرکت فرماتے، رمضان المبارک اور سال کی دوسری تمام ضروریات کے لیے اسفار کے موقعوں پر اسی سائکل رکشے کی سواری فرماتے اور جامعہ کے لیے شہری چندہ فراہم کر کے جامعہ کی ضروریات پوری فرماتے، تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کوئی کتا پاس سے گزر جاتا اور حضرت والا کو شک بھی ہوگیا کہ میرے کپڑے کو لگ گیا ہے، تو پورے کپڑے بدل لیتے اور دوسرا جوڑا زیب تن فرماتے، حضرت والا کے اسی ظاہری عمل سے باطن کے تقویٰ کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت والا کے تقوی سے متعلق کتنی ہی مرتبہ دیکھا ہوا یہ چھوٹا سا عمل تحریر کیا ہے، اس قسم کے حضرت والا کے سیکڑوں واقعات ہیں، جن کو مضمون کی طوالت کے اندیشے سے ترک کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاندانی وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، آپ کے والدِ محترم سرکاری دفاتر میں منشی تھے، آپ کے دادا سرکاری پولیس افسر اور چچا جج تھے، آپ کے بھائیوں میں بیشتر تعلیم یافتہ اور گریجویٹ تھے، جو مختلف تعلیم گاہوں میں پروفیسر اور کبارِ اساتذہ میں سے تھے، جن کے ہزاروں شاگرد دنیا کے مختلف گوشوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور خود آپ کا جامعہ نورالاسلام کی ظاہری و باطنی و روحانی نگرانی اور آب یاری کے ساتھ حکمت وطبابت کا مطلب تھا، جس کی آمدنی بڑی معقول تھی۔

بندہ کی وابستگی حضرت والا عالی جاہ سے تقریباً دس سال کی عمر میں ہوئی، جب کہ میرے محسن وکرم فرما موقر استاذ؛ بلکہ عالمِ اسباب میں میرے علم کا سبب حضرت مولانا عبدالستار صاحب دام ظلہ علینا استاذ حدیث جامعہ ہذا مجھ کو لے کر آئے اور جامعہ میں داخلہ

کرایا، حضرت مولانا حکیم صاحبؒ کے شروع سے لے کر آخر تک خادمِ خاص رہے؛ کیوں کہ جامعہ نورالاسلام ہی سے آپ نے تعلیم کی تکمیل کی اور مخدومِ گرامی حضرت حکیم صاحب کی محبتوں اور شفقتوں کی بنا پر یہیں استاذ بھی مقرر ہو گئے اور آج بھی بحمداللہ مسندِ حدیث کی زینت ہیں، صغیر السن ہونے کی وجہ سے حضرت حکیم صاحب اس ناکارہ پر ابتدا ہی سے شفقت فرماتے، یہاں تک کہ پیرانی صاحبہ کا شفقت فرمانا بھی یاد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے ان محسنین کی قبروں کو نور سے بھر دے اور اپنے شایانِ شان خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے، رفتہ رفتہ میرے تعلیمی درجات بھی بڑھتے گئے اور جوں جوں میں اپنی جماعت میں تعلیمی امتیاز حاصل کرتا گیا، حضرت والا کی شفقتیں بھی میرے اوپر بڑھتی ہی گئیں، یوں بھی مشہور ہے کہ جب شاگرد ذہین ہوتا ہے تو استاذ اس ذہین شاگرد کو اپنی اولاد پر بھی ترجیح دے دیتا ہے، حضرت والا حکیم صاحبؒ جب رات میں مطب سے تشریف لاتے، تو مسجدِ جامعہ میں تمام طلبہ مطالعہ وتکرار میں مشغول ہوتے اور حضرت والا نگرانی فرما کر قلبی مسرت محسوس کرتے، اس ناکارہ بندے کو مخصوص طور پر ایک کونے میں بلا کر مختلف کتابیں جیسے کریما سعدی، گلستاں، بوستاں، مقاماتِ حریری وغیرہ پڑھاتے، مقاماتِ حریری، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جناتی کتاب ہے اور یاد نہیں رہتی، مجھے یاد ہے کہ حضرت والاؒ بلا تکلف بہترین شستہ اور شگفتہ ترجمہ فرماتے اور لغات بھی حل فرماتے، آج جب کہ یہ ناکارہ خود عمر کے اس مرحلے میں پہنچ چکا ہے کہ درسیات کی الحمدللہ از حمدِ باری تا بخاری شریف تقریباً سب کتابیں پڑھا چکا ہے اور بحمداللہ بخاری شریف کی تدریس کی عظیم خدمت کی بھی ربع صدی گزر چکی ہے، صحیح بخاری شریف کی ثلاثیات کی شرح بنام ''فیضان الباری علی ثلاثیات البخاری'' اور دوسری کتاب ''صحیح بخاری شریف کے عبرت آمیز واقعات'' ترتیب دے چکا ہے، جن پر حضرت والا حکیم صاحبؒ کے بابرکت تقریظی کلمات بھی ہیں، اب

احساس کرتا ہوں کہ حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے کیسا زبردست اور گہرا علم عطا فرمایا تھا، خود اس ناکارہ کا واقعہ ہے کہ جب میں مظاہر علوم سہارن پور میں دورۂ حدیث میں تھا، تو شش ماہی امتحان پورا کر کے امتحان کی چھٹی میں ملاقات کے لیے میرٹھ حاضر ہوا، حضرت والا سے ملاقات کے لیے بیٹھک میں موجود تھا، حضرت والا کے حکم سے کرسی پر بیٹھا تھا کہ برملا پوچھ لیا کہ مولوی صاحب کیا پڑھ کر آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت فلاں کتاب فلاں جگہ تک مثلاً ابوداود شریف فلاں مضمون تک، ترمذی شریف فلاں باب تک اور بخاری شریف فلاں باب تک ہوئی تھی، بلا تأمل حضرت والا نے ایک تحقیقی مسئلہ پوچھ لیا کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران آنے والے وہ کون سے صحابی تھے، جن کو سرورِ کونینؐ نے دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا اور احناف کی طرف سے اس کے کیا اور کتنے جوابات ہیں، الحمدللہ چوں کہ بندۂ عاصی نے جامعہ مظاہر علوم کی علمی سرزمین میں رہ کر امتحان کی بھرپور تیاری میں یہ سب کچھ یاد کیا تھا؛ اس لیے بلاتکلف جوابات دیے، حضرت والا بہت خوش ہوئے اور دل سے دعائیں دیں اور یہی وجہ ہے کہ فراغت کے بعد حضرت والا نے حضرت حکیم صاحب الیاس کٹھوری اور میرے مؤقر استاذ حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ کے ذریعے بندہ کو افتاء کرنے پر اصرار کیا تھا، اس وقت اگرچہ رب قدیر کو یہ منظور نہ تھا؛ لیکن حضرت والا کا حکم اخلاص و محبت سے اس قدر بھرا ہوا تھا کہ ۲۷ سال پڑھانے کے بعد اس عبدِ ضعیف نے زمانۂ تدریس میں وقت نکال کر مستقل ہر روز ۵۰ کلو میٹر کا سفر طے کر کے افتاء کیا:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایسے ہی مشائخ اور اولیاء اللہ کے لیے اللہ کے نبیؐ نے فرمایا ہے: ”لو اقسم علی اللہ لابرہ“ مجھے اپنے زمانۂ طالب علمی میں، جب کہ میں جامعہ نورالاسلام میں زیرِ

تعلیم تھا، خوب یاد ہے کہ پیر و مرشد حضرت حکیم الاسلام صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بکثرت میرٹھ تشریف لاتے اور حضرت والا حکیم صاحب کی برکت سے کبھی حکیم الیاس کٹھوریؒ کے گھر خیر نگر میرٹھ اور کبھی حضرت والا حکیم صاحب کے مکان پر قیام ہوتا، ہم طالب علموں کی خوش قسمتی کہیے کہ خوب جسمانی خدمتوں کا وقت ملتا اور ہم حضرت والا کی خدمت کر کے خوب روحانی فیض اٹھاتے، خدام اور طلباء سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اولاد کی طرح؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت فرماتے، مجھے یاد ہے کہ جب ہم مادرِ علمی جامعہ نورالاسلام سے ہدایہ وغیرہ کی تکمیل کے بعد داخلہ لینے کے لیے جامعہ مظاہر علوم سہارن پور چلے گئے، تو ہم تین ساتھی تھے (۱) یہ بندۂ عاصی (۲) جناب مولانا شعیب عالم صاحب مظاہری حال استاذ جامعہ حمیدیہ پانولی گجرات (۳) جناب مولانا نظام الدین صاحب حال استاذ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر، جب ہم داخلہ لے کر واپس جامعہ نورالاسلام آئے اور ہم تینوں اپنے مشفق استاذ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ کی درسگاہ میں ان کے پاس بیٹھے تھے، کہ اتنے میں حضرت والا عالی جاہ وہاں تشریف لے آئے، ہمارے جانے کی خبر حضرت والا کو پہلے ہی ہو چکی تھی، حضرت والا مغموم ہو کر بیٹھ گئے اور آنکھوں سے آنسو آنے لگے، تو تسلی دیتے ہوئے ہمارے محسن و مشفق استاذ نے فرمایا کہ حضرت یہ بچے تو آپ ہی کے ہیں اور جہاں کہیں رہیں گے نام و نسبت آپ ہی کی رہے گی، یقیناً ہمیں اپنی مادرِ علمی جامعہ نورالاسلام اور پیر و مرشد محسن اور مشفق استاذ حکیم صاحب کی نسبت پر فخر ہے۔

چوں کہ یہ دنیا فانی ہے، وقتِ موعود پر ہر ایک کو جانا ہے، عدمِ خاتمہ تو صرف اور صرف ربِ کائنات کی صفت ہے، علوم و معارف اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب تقریباً ۹۶ سال کی عمر پا کر یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز سنیچر کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا (**کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذوالجلال والکرام**).

جب آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی، تو ایک تہلکہ مچ گیا، ظہر کی نماز کے بعد اس دھوم دھام سے جنازہ اٹھایا گیا کہ سارا شہر میرٹھ اور اطراف و اکناف مشایعت میں تھا اور ازدحام و بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ غالباً میرٹھ شہر کی سرزمین پر اس سے پہلے کسی جنازے میں اتنا ازدحام نہ ہوا ہو، قبیلِ عصر دنیائے علوم وفنون کے اس بادشاہ کو سپردِ خاک کر دیا گیا (رحمه الله رحمة واسعة).

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

میرے شیخ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ

(مولانا عبدالعزیز بن محمد عبداللہ)
خادم القرآن الکریم بالمسجد النبوی الشریف
المدینۃ المنورہ، المملکۃ السعودیۃ العربیۃ

قال تعالیٰ: "کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام".

ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ جو بھی اس دنیا میں آیا ہے، اس کا سفر لقمۂ اجل سے ہی پورا ہوگا اور ہر فرد کو موت کا تلخ یا شیریں ذائقہ چکھنا ہی ہوگا، مگر پھر بھی جانے والے کے فراق میں اس کے محبین سمندر نچوڑتے ہیں، ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوتیں اور ان کا غم پہاڑ بن کر سینے پر منڈلاتا رہتا ہے۔

پریشانی و اضطراب اس بات کی زیادہ ہوتی ہے کہ اس قحطِ رجالی کے دور میں جانے والے کا نعم البدل کون ہوگا؟ نعم البدل تو درکنار، اگر عشرِ عشیر بھی مل جائے، تو زہے نصیب! کیوں کہ جن ذمے داریوں کو جانے والا جس خوبی کے ساتھ ادا کر رہا تھا، خواہ وہ خدماتِ مدارس ہوں یا یا مساجد، خانقاہی ہوں یا اجتماعی وسیاسی، وہ مجموعۂ محاسن اپنی قائدانہ صلاحیت سے امتِ محمدؐیہ کو پیغمبری جذبہ و پیغمبری تڑپ، دردِ نبوی اور سوز وتڑپ کے ساتھ لے کر چل رہا تھا۔

مولانا کی ذات اس طرح کی تھی کہ پیرانہ سالی کے باوجود ہمت وعزم وحوصلہ کے پہاڑ تھے، امت محمدیہ کے مسائل کے حاذق نبض شناس و مدارس دینیہ کی ضروریات وترقی و

حسنِ انتظام کے قابلِ اعتماد مشیر و معاون، ملت اسلامیہ کے لیے اپنی آواز بلند کرنے والے اپنی نوعیت کے فرید وحید انسان تھے۔

حضرتؒ مکارم اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھے، زہد و ورع، فہم و بصیرت، علم و تقویٰ، ہمدردی و غمخواری گویا حضرت کے خمیر میں شامل تھا، مہمان نوازی و کرم گستری نے تو حضرت کو ہمہ گیر اور ہشت جہات کا مالک بنا دیا تھا۔

آپ کثرت سے بیماروں کی عیادت فرماتے اور جنازے میں شرکت فرماتے اور دعوت پر لبیک کہتے، پڑوسی شہری، عزیز و اقارب و متعلقین کی خبر گیری میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کرتے، اس عزم و حوصلے کے بلند پہاڑ نے طویل علالت کے بعد خدا کی پکار ”یاایتها النفس المطمئنة، ارجعي الى ربک راضية مرضية، فادخلي في عبادي، وادخلي جنتي“ پر لبیک کہا اور اس کے ساتھ ہی بتاریخ یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ عشقِ نبوی کا یہ چراغ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

حضرتؒ نے اپنی زندگی میں لاکھوں لوگوں کی اصلاح فرمائی اور انھیں مشعلِ راہ دکھلائی اور ہزاروں مدارس و مساجد کی قیادت کی اور اصلاحِ معاشرہ پر بہت ہی وسیع پیمانے پر کام کیا، اللہ مرحوم کے ہر لمحے کو قبولیت سے نوازے اور ان کا مقام جنت میں انبیاء، صدیقین، صلحاء اور شہداء کے ساتھ فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام، ایک عبقری شخصیت

(مولانا محمد یعقوب قاسمی سہارنپوری)

اس دنیائے فانی میں جو بھی آتا ہے وہ جانے ہی کے لے آتا ہے اور اس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہی پڑتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی کے لیے تلخ اور کسی کے لیے شیریں ثابت ہوتا ہے، البتہ بعض لوگ دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد پردۂ خفا میں چلے جاتے ہیں اور بعض نفوس قدسیہ اور بزرگ ہستیاں لقائے الٰہی کی طرف جانے کے بعد بھی زندہ و جاوید رہتی ہیں اور لوگوں کے قلوب پر وہ انمٹ نقوش چھوڑ جاتی ہیں باجود بھلانا چاہنے کے ان ملائکہ صفت ہستیوں کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ انہیں باعظمت اور باوقار شخصیتوں میں ایک نام ہے، خانوادۂ قاسمی کے روشن چراغ، عالمی شہرت کے مالک، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل حضرت حکیم محمد اسلام صاحب نور اللہ مرقدہ، و برد اللہ مضجعہ کا۔

مرگ جنوں پہ عقل گم ہے میرؔ
کیا دیوانے نے موت پائی ہے؟

حضرت حکیم صاحبؒ کی ذات اقدس متنوع صفات کی بحر بیکراں تھی، ممدوح محترم کی کن کن صفات کو ضبط تحریر کیا جائے اور کن کو احاطۂ تحریر سے باہر رکھا جائے، یہ بات ہر اس شخص کو پس وپیش میں ڈال دیتی ہے جس نے تھوڑا سا عرصہ بھی حضرت کی معیت و خدمت میں گذارا ہو۔

کون سی خوبی پر جان دوں ،کس ادا پر مرمٹوں
خوبیاں لاکھ بھری ہیں،آپ کی تصویر میں

حضرت حکیم صاحب کے اندر بزرگوں اور علمائے کرام کا پرتو صاف نظر آتا تھا، حضرت کی ایک اہم اور بڑی خوبی سادگی وعاجزی اور انکساری وخاکساری تھی ، باوجود اس کے کہ آپ کا شمار اساطینِ علم اور پایہ کے اولیاء اللہ میں ہوتا تھا،آپ شہرت اور ناموری سے بہت دور رہتے تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دور بھاگتے تھے تو بے جا نہ ہوگا،اس کے لیے صرف ایک مثال کافی ہے، کہ جب میرٹھ کے قاضیٔ شہر حضرت مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی علیہ الرحمہ انتقال فرما گئے تو شہر کے اہلِ علم اور ارباب حل وعقد اور علمائے کرام نے آپ سے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ شہر کی مسندِ قضاء کو رونق بخشیں اور قاضیٔ شہر بن کر اہالیانِ میرٹھ کی رہنمائی ورہبری فرمائیں ،لیکن حضرت نے سختی سے انکار کردیا،البتہ بغیر عہدہ کے برابر رہنمائی ورہبری فرماتے رہے،تا آنکہ وقت اجل آپہنچا۔

فطرتاً آپ کے مزاج میں لطافت ونفاست تھی جس کا اثر آپ کے لیل ونہار، گفتاروکرداراورنشست وبرخاست پرعیاں تھا،لیکن تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور تھے۔ہمارے حکیم صاحبؒ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ حق جل مجدہ نے آپ کو دولت دین کے ساتھ ساتھ دولت دنیا سے بھی خوب نوازا تھا،اس پر مزید لائق تحسین بات یہ کہ آپ بڑے فراخ دل ، بے کسوں، بے سہارا،غریبوں محتاجوں،ضرورت مندوں اور بیواؤں کے بے پناہ مونس وغم خوار اور ہمدرد تھے اور خوب دل کھول کر ان کی مدد فرماتے تھے، میرٹھ کے فسادات اس کے شاہد ہیں۔

آپ کی شخصیت کو نکھارنے میں ایک بڑا اور اہم کردار ان مبارک اور پاکباز ہستیوں کا بھی رہا ہے جن کے سامنے آپ نے حصول علم کے لے زانوئے تلمذ طے کیا اور

روحانیت ومعرفت حاصل کرنے کے لیے اصلاحی تعلق قائم کیے، کیونکہ حکیم صاحب بچپن سے ہی علماء وصلحاء سے الفت ومحبت رکھتے تھے اوران کی مجالس کو جائے سکون سمجھتے تھے۔جس کا اظہار آپ نے یوں فرمایا۔''بچپن میں مجھے علماء وصلحاء کی مجلس میں سکون ملتا تھا،اور ہر انسان اپنے سے بہتر نظر آتا تھا، گویا کہ الحمدللہ حکیم صاحب نے بچپن ہی میں تصوف وسلوک کا ایک مرحلہ طے کرلیا تھا لیکن اسی کے ساتھ حضرت اپنے نفس سے بے خبر نہ تھے بلکہ برابراس پر دارو گیر رکھتے اورصرف اسی پر بس نہیں بلکہ برابر کسی نہ کسی اللہ والے سے اپنا اصلاحی تعلق قائم رکھتے اوراگر وہ بزرگ لقائے الٰہی کے لیے انتقال فرماجاتے تو آپ بے فکر ہوکر نہ بیٹھ جاتے بلکہ کسی دوسرے مربی ومرشد کی تلاش میں لگ جاتے اوراپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیتے، یہاں تک کہ یہ روحانی سلسلہ ان کی حیات کے ساتھ ساتھ چلتا رہااورآپ کے دنیا سے پردہ فرماجانے پر ہی بند ہوا،ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ شعر گونجتا رہتا ہو:

نفسِ امارہ کا کچھ بھروسہ نہیں زاہد
گرفرشتہ بھی ہوجائے تو بدگماں رہنا

حضرت حکیم صاحب اجازت وخلافت کے سلسلہ میں سہ برگہ پھول کے مانند تھے اورموصوف محترم کی یہ وہ صفت ہے جوان کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے لیکن ممدوح محترم اپنے اورادووظائف اورمعمولات پر برابر ہمیشگی ومداومت فرماتے رہے اور یہ راز اس طرح کھلا کہ ایک مرتبہ آپ نے برسبیل تذکرہ فرمایا کہ جب سے میں بیعت ہوا ہوں،الحمدللہ تہجد کی نماز فوت نہیں ہوئی،اقبال مرحوم نے صحیح فرمایا ہے:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وعظ میں عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا آپ کے مواعظ و ملفوظات پرسوز بھی ہوتے تھے اور پرتاثیر بھی، جن کا عکس آپ کے مواعظ پر مشتمل کتاب ''تذکیر الاسلام'' میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ حکیم صاحبؒ کے تعلق سے تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''شخصیت اگر اخلاص وللّٰہیت سے بھی بہرہ مند ہو تو دینی حقائق میں مقبولیت اور پرتاثیر بھی، اسی درجہ میں ترقی پذیر ہوتی چلی جاتی ہے، بس اب یہی کہا جاسکتا ہے: ''بہت لگتا تھا جی، صحبت میں ان کی۔''

حضرت حکیم صاحبؒ کے ذریعے روحانی وجسمانی طور پر شفایاب ہونے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کا تعلق تعلیمی میدان، سیاسی گلیاروں، ارباب حکومت سے تھا اور اسی طرح آپ کے عقیدت مندوں میں بھی سبھی طرح کے لوگ تھے لیکن اس کے باوجود ان کے کسی قول وفعل اور طرز عمل سے دنیاوی کروفر کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضرت والا اپنے دور کے علماء کے سرخیل اور استاذ الاساتذہ تھے، مگر بایں ہمہ اہل علم کے قدرداں اور دل سے ان کا اکرام واحترام فرماتے تھے۔

حکیم صاحبؒ ہند اور اہالیان ہند کے محبّ تھے، شاید اسی محبت نے آپ کو اپنے وطن عزیز کو انگریزوں کے ناپاک پنجوں سے آزاد کرانے میں مہمیز لگائی، آپ کی انسانیت نوازی، غم خواری اور اس کے تئیں دردمندی قابل دید تھی، شاید اسی کا اثر تھا کہ آپ کے ارادت مندوں، عقیدت مندوں اور نیاز مندوں میں ایک بڑی تعداد دیگر مذاہب کے لوگوں کی بھی تھی، حضرت کی شخصیت امیر مینائی کے اس شعر کا مصداق تھی۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

افسوس صد افسوس یہ اقلیم علم کا تاجدار ،مسندِ ولایت کا صدرِ نشین، گلشنِ دین کا باغباں، حریمِ نبوت کا پاسباں، علم ومعرفت کا بحرِ بیکراں، اسرارِ شریعت کا نکتہ رس ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو کر یکم دسمبر ۲۰۱۲ء کو راہیٔ عالم آخرت ہوا۔

اٹھ گیا کون یہ محفل سے کہ جس کے غم میں
در و دیوار سے آتی ہے صدا ماتم کی

☆☆☆

﴿چند ملاقاتیں﴾

(مولانا نسیم اختر شاہ قیصر)

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

۱۰؍سال کا عرصہ تو گزرتا ہی ہے کہ میرٹھ اور اطرافِ میرٹھ کے مدارسِ اسلامیہ کے سالانہ اجتماعات میں شرکت کے کافی مواقع ملے، مدرسوں کے سالانہ جلسے بعض جگہوں پر اتنی پابندی، اتنے تسلسل اور اتنے اہتمام کے ساتھ ہوتے ہیں کہ اہل بستی کے علاوہ آس پاس کے علاقوں کے لوگ بھی ان جلسوں کا انتظار کرتے ہیں۔ چناں چہ جب میرٹھ اس عنوان سے خوب آنا جانا ہوا، تو چند ممتاز اور نمایاں اشخاص کے نام بھی سامنے آئے اور اہل علم کی مجلسوں میں ان کا تذکرہ بھی خوب سنا، پیر طریقت حضرت الحاج مولانا حکیم محمد اسلام صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر خیر بھی خوب ہوتا تھا لیکن ان سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، معمول کے مطابق جب ایک سال مدرسہ ناشر العلوم کھجوری (میرٹھ) کے سالانہ جلسے میں شرکت کی تو رات کی یہ نشست شبِ جمعہ کی نشست تھی۔ تقریر سے فارغ ہوکر صبح کو میرٹھ کے لیے روانہ ہوگیا، تو دل میں یہ خیال آیا کہ آج جمعہ ہے کیوں نہ نماز جمعہ شاہ پیر گیٹ میں پڑھی جائے جہاں حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ کی زیارت سے بھی مشرف ہونے کا موقع ملے گا۔

میرے ساتھ محترم مولانا غلام نبی صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند بھی تھے ہم دونوں ہی نماز جمعہ کے وقت مسجد میں پہنچ گئے تھوڑی دیر بعد قاری عبدالقیوم صاحب معتمد خاص حضرت حکیم صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ حکیم صاحب کا حکم ہے کہ آپ جمعہ کی نماز سے پہلے کچھ دیر بیان کردیں، میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کچھ

بیان کرنے کی کوشش کی ، پھر نماز جمعہ ہوئی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہوکر جب ہم واپس ہونے لگے تو قاری صاحب نے بتایا کہ حکیم صاحبؒ ابھی واپس تشریف لا رہے ہیں آپ لوگ کچھ دیر بیٹھیں ۔تھوڑی ہی دیر کے بعد حکیم صاحب تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں دو ڈبے ''گزک'' کے تھے اور دو بند لفافے بھی جوانھوں نے میرے اور مولانا غلام نبی صاحب کے ہاتھوں میں تھما دیئے۔ یہ حضرت حکیم صاحبؒ سے پہلی ملاقات تھی اس ملاقات میں انھوں نے جس بزرگانہ شفقت اور محبت سے نوازا اور ہمارے کچھ نہ ہونے کے باوجود جس طرح سے اکرام کیا اس سے دل ودماغ پر ایک گہرا اور خوشگوار تاثر مرتب ہوا۔حکیم صاحبؒ سے دعا کی درخواست کی اور وہاں سے رخصت ہوگئے۔

اس کے بعد کئی بار حکیم صاحبؒ کے یہاں حاضری ہوئی اور ہر بار حکیم صاحبؒ نے اسی کرم ونوازش کا معاملہ فرمایا جو ان کا مزاج اور ان کی فطرت تھی۔جیسا کہ میں نے عرض کیا میرٹھ کے مستقل اسفار کی وجہ سے حکیم صاحب کا نام کافی پہلے سن چکا تھا اور پھر مختلف مواقع پر ان کی شخصیت ،ان کے کمالات ،ان کے تقویٰ ،ان کی محنت وجدوجہد،ان کے اخلاص اور ان کے پاکیزہ معاملات کے بہت سے واقعات سنے اور پھر بعد میں بہت سے مشاہدے میں بھی آئے حکیم صاحبؒ کو اللہ رب العزت نے مقبولیت ومرجعیت سے نوازا تھا بیعت وارشاد کے میدان میں ان سے رجوع کرنے والوں کی تعداد کافی بڑی ہے پھر طبابت کے پیشے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کے مطب میں حاضر ہونے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا عطا فرمائی تھی اور مختلف امراض کا شکار ان کے مطب میں پہنچنے کے بعد شفایاب ہوکر نکلتے۔حکیم صاحبؒ ہمارے گزشتہ دور کے بزرگوں اور لوگوں کی یادگار تھے۔انکا تعلق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ سے تھا اس تعلق کو انھوں نے خوب نبھایا اور آخر دم تک نبھایا۔حکیم الاسلامؒ تو اس عالمِ

فانی سے ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو رخصت ہو گئے مگر اس کے بعد پچیس سال سے زائد عرصہ تک انھوں نے خانوادۂ قاسمی سے تعلق میں کوئی جھول نہیں آنے دیا خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ اور حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی مدظلہ ہر موقع اور ہر علمی دینی پروگرام کے عنوان سے ان کے یہاں تشریف لے جاتے رہے اور یہ سلسلہ حکیم صاحبؒ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اللہ کے فضل سے بدستور جاری ہے۔ اللہ نے حکیم صاحبؒ کو کئی اختصاصات سے نوازا تھا۔ آپ منکسر المزاج، بلند اخلاق اور عمدہ عادات کے مالک تھے۔ پھر جس خلوص اور محبت کے ساتھ وہ پیش آتے وہ انہی کا حصہ تھا ان کی اور میری عمر میں بڑا فرق تھا مگر اس کے باوجود وہ جس طرح سے پیش آتے اور جس رکھ رکھاؤ کا معاملہ فرماتے اس سے شرمندگی ہوتی، کیوں کہ وہ جس مرتبہ اور جس مقام کے مالک تھے اس کی وجہ سے یہ احساس شدید ہو جاتا تھا کہ حضرت حکیم صاحب اپنے خوردوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں تو یہ سوچ کر دل میں ان کی عظمت اور بڑھ جاتی تھی۔ بہر حال حکیم صاحبؒ کی خدمت میں تین چار بار کے علاوہ حاضری کا موقع نہ مل سکا اور مگر جتنی بار بھی یہ سعادت نصیب ہوئی اُتنی ہی بار ان کی بے نفسی، بے ریائی، عاجزی اور انکساری کے نقوش گہرے اور گہرے ہوتے چلے گئے۔

اللہ رب العزت حکیم صاحبؒ کی مغفرت کاملہ فرمائے درجات بلند کرے اور ان کے علمی جانشین مفتی سید احمد قاسمی کو دینی و دنیاوی ترقیات سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

﴿ہر دل عزیز شخصیت﴾

(مولانا ابوالکلام قاسمی)
مبلغ اعلیٰ دارالعلوم وقف دیوبند

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اوران کو اپنی مختلف مخلوقات سے بھر دیا، پھر حضرت انسان کی تشریف آوری ہوئی اور لاتعداد اچھے اور برے اشخاص سے دنیا بھر گئی۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور کچھ ایسے تھے کہ خود بخود انسان ان کی طرف متوجہ ہوتا تھا، اور کشش محسوس ہوتی تھی، ایسے بندے خدا کی مخلوق میں کم ہوئے مگر جو ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے منتخب فرمایا۔ان میں ایک ذات اقدس محترم مولانا حکیم محمد اسلام صاحب مرحوم ومغفور میرٹھی کی ہے۔جن کا سینہ محبت الہیٰ سے سرشار، رخ زیبا انوار الہیٰ سے معمور، جن کا سینہ ذکر الہیٰ سے بھر پور۔نہ کہیں زیبائش، نہ کہیں نمائش نہ کہیں ہٹو بچو کی آواز، نہ کوئی بھیڑ بھڑ اکا، ایک معصوم صورت، فرشتہ صفت، اخلاق کا پیکر، مخلوق خدا کا درد دل میں لیے ہوئے، ایک شخص دواخانہ میں بیٹھا ہے، نہ میز نہ کرسی، نہ کوئی ٹیپ ٹاپ، مریضوں کا جھرمٹ، ہر شخص اپنی اپنی سنا رہا ہے بار بار سوال پر سوال، نہ کوئی ترشی وتنگی، خندہ پیشانی سے سب کی تسلی وتشفی، نامراد آتے بامراد جاتے، سبحان اللہ۔جس ذات میں اللہ تعالیٰ نے اتنے اوصاف حسنہ جمع کر دیے ہوں تو کیا اس کی ہر دل عزیزی پر شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ آنے والا روتا ہوا آتا اور ہنستا ہوا جاتا۔

حضرت محترم حکیم مولانا محمد اسلام صاحبؒ سے میری وابستگی اور تعلقات کا سلسلہ پرانا ہے، مسلسل ملاقاتیں بھی رہیں جب بھی ملنا ہوا ان کی دل نشیں شخصیت، انسانیت نوازی، شرافت وتقویٰ وپاکیزگی نیز علم وعمل اور فضل وکمال کا عمدہ نمونہ پایا۔

حضرت مولانا مرحوم قوم کی جہالت اور بے دینی سے ہمیشہ نالاں وگریاں رہتے۔حضرت رحمہ اللہ کی بڑی خدماتِ دین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک عظیم مدرسہ نورالاسلام کے نام سے میرٹھ میں قائم کیا جس میں آپ نے اپنا ہر ممکن تعاون پیش کیا جس کے نتیجے میں مدرسہ ایک بڑے جامعہ کی شکل میں ہے، آج اس کا فیض ہندوستان سے نکل کر ایک عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

یوں تو حضرت موصوف کی ذات گرامی خود ایک عظیم درسگاہ کی حیثیت تھی، مولانا موصوف کے شب وروز کی گردش وہی تھی جس سے دوسرے حضرات گزرتے ہیں، مگر حضرت رحمہ اللہ کا کمال یہ تھا کہ ملنے والوں سے حسب مراتب خندہ پیشانی اور تواضع کے ساتھ ملتے۔ان کی محبت واخلاص، وفاداری، مہمان نوازی، خوش اخلاقی میں ایسی دل آویزی کہ جس سے ہر آنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

انتہائی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ محترم حکیم صاحب رحمہ اللہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ہاں اس بات سے خوشی اور تسکین ملتی ہے کہ مولانا مرحوم کے نواسہ محترم مولانا مفتی سید احمد صاحب قاسمی سلمہ نے اپنے نانا جان کی جانشینی کو سنبھالا اور ان کے علمی مشن اور اصلاحی تحریک کو آگے بڑھانے میں بھرپور حوصلہ سے کام لیا۔وہ بخوبی ان خدمات کو انجام دے رہے ہیں۔**ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

دردِدل کے ساتھ دعاء ہے کہ رب العزت حضرت حکیم صاحبؒ کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات عالیہ کو مزید بلند فرمائے اور ان کے جانشیں محترم مولانا سید احمد سلمہ کی ہر قدم پر نصرت ومدد فرمائے، ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور مقبولیت عامہ نصیب فرمائے، آمین۔

☆☆☆

﴿جامع صفات﴾

(مولانا محمد صادق قاسمی حیدرآباد)

حضرت حکیم صاحب کی وفات کی اطلاع سے نہایت رنج والم لاحق ہوا، باری تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے (آمین ثم آمین) سالِ رواں عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں عزیزم محترم مولانا عبدالستار کی معیت میں حضرت حکیم صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات، مجالست و مکالمت نے روحانی و جسمانی کیفیت و سرور سے نوازا، حضرت علیہ الرحمہ کی شفقت وعنایت اور ذرہ نوازی پہلے سے کہیں زیادہ اس مرتبہ دیکھنے میں آئی۔

یہ واقعہ ہے کہ میرٹھ شہر ہمیشہ سے اربابِ علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے اور مشہور شخصیات کا مولد ومسکن رہا ہے، اس افق سے علم ومعرفت اور رشد وہدایت کے آفتاب و ماہ تاب طلوع ہوکر اپنی ضیابار کرنوں سے نہ صرف اس شہر اور اس کے اطراف واکناف کو منور کرتے رہے؛ بلکہ دیگر بلدان بھی اس کے فیض سے محروم نہیں رہے۔

حضرت حکیم صاحب اور اہتمام:

حضرت حکیم صاحب شروع ہی سے علمی، دینی اور تصنیفی خدمات میں مصروف رہے، جامعہ عربیہ نورالاسلام کے منصبِ اہتمام پر ربعِ صدی سے زیادہ عرصے تک فائز رہے، دیکھا جائے، تو جامعہ عربیہ نورالاسلام ان کی سوچ اور فکر کا محور ومرکز تھا، شب و روز اس کی ترقی کی فکر رکھتے تھے، اپنی تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کا اسے مرکز بنائے ہوئے تھے، جامعہ کی موجودہ تعلیمی وتعمیری ترقی ان ہی کی مساعیِ جمیلہ کا مظہر ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے میں جامعہ کی تعلیمی ترقی:

حضرت علیہ الرحمہ کی خواہش یہی تھی کہ جامعہ کا تعلیمی معیار بلند ہو، اسی وجہ سے موصوف نے وقت کے بڑے بڑے اہلِ علم اور صاحبِ فضل وکمال کو جمع کرلیا تھا، جن میں سرِ فہرست حافظ بشیر احمد صاحب ہیں، جو بڑے ولی صفت انسان تھے، موصوف کو جامعہ کا اول استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل تھا، ان کے بعد شہر میرٹھ ہی نہیں ہندوستان کی مشہور ترین شخصیت، صاحبِ فضل وکمال، تعلق مع اللہ کی نسبت سے فیضیاب، خلوص وللّٰہیت کے پیکر، حضراتِ اکابر کے نورِ نظر حضرت مولانا لائق علی صاحبؒ حضرت حکیم صاحب کی دعوتِ خدمتِ تدریس کے تشریف لائے، حضرت مولانا لائق علی صاحب اکابرِ دیوبند میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں، آپ گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے، علم میں بڑی گیرائی وگہرائی تھی، علوم فقہ اور مسائلِ شرعیہ وفرعیہ میں دست رس حاصل تھی، تادمِ حیات خدمت کی اور یہیں جان جاں آفریں کے سپرد کی (**برد الله مضجعه**).

جامعہ کی تعمیری ترقی:

ہم نے اور حضرت مولانا لائق علیؒ نے جب جامعہ میں تدریسی خدمت شروع کی تھی، تو جامعہ بس مسجد اور اس کے حدود اربعہ کا نام تھا؛ لیکن حضرت حکیم صاحب کی دعائے نیم شبی اور آہِ سحرگاہی کے نتیجے میں اور خداترس علم دوست اہالیانِ میرٹھ شہر اور حضراتِ انصاری کی خصوصی توجہ نے دیکھتے ہی دیکھتے اسے ایک لفظی جامعہ سے حقیقی جامعہ میں تبدیل فرمادیا، الحمدللہ حضرت حکیم صاحب کے انتقال کے وقت جامعہ کا رقبہ کافی بڑا اور تاحدِ نظر پھیلا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول ومنظور فرمائے۔

حضرت حکیم صاحب اور ان کی تصنیفات:

حضرت حکیم صاحب نے اپنے جامعہ میں وقتاً فوقتاً اکابر و اسلافِ دیوبند کو مدعو فرمایا اور ان اکابر نے آپ کی دعوت کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور عطوفت و شفقت سے کبھی بھی محروم نہ فرمایا، ان میں سے درجِ ذیل حضرات کی بطورِ خاص توجہ اور سرپرستی حاصل رہی:

حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم۔

حضرت حکیم صاحب اسلاف و اکابر کی نظر میں:

حضرت حکیم صاحب کی متعدد خوبیوں اور کمالات کو دیکھتے ہوئے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے امت کی اصلاح و رشد و ہدایت کی عظیم ترین شئی دے کر اجازت و خلافت سے نوازا، حضرت موصوف نے اپنے پیر و مرشد اور اکابر کی بیش بہا قیمتی امانت کی حفاظت فرمائی اور زندگی کی آخری سانس تک اسی مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی۔ (برد الله مضجعه).

حضرت حکیم صاحب اور احقر:

حضرت مولانا لائق علیؒ کے تقرر کے تھوڑے عرصے کے بعد احقر دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا، حضرت نے جامعہ میں بندہ کا تقرر فرمالیا اور ۲۳ رسال تک احقر اپنے مشفق و مخلص بزرگ حکیم صاحب اور حضرت مولانا لائق علی کی سرپرستی میں حدیث کی اعلیٰ درجے کی کتب پڑھانے کی سعادت حاصل کرتا رہا، حکیم صاحب کو اس ذرۂ بے مقدار پر اس قدر

بھروسہ اور اعتماد تھا کہ تعلیمی نظم ونسق، طلبہ کے داخلہ واخراج، اساتذہ کے نصب وعزل، تقسیمِ اسباق وغیرہ کی ذمے داری احقر کے سپرد فرمادی تھی، حضرت مہتمم صاحب بہت ہی مخلص و مشفق مشیر کی طرح پیش آتے، یہاں تک کہ امورِ خانہ میں بھی مشیر ومعاون ہوتے۔

ان کی کن کن شفقتوں، عنایتوں اور اسوۂ حسنہ کا ذکر کیا جائے، اللہ تعالیٰ انھیں خدمتِ خلق اور خدمتِ دین کے عوض بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔

(آمین یارب العالمین).

☆☆☆

﴿جامع العلوم والکمالات﴾

(قاری عبدالقیوم قاسمی)

استاذ جامعہ عربیہ نورالاسلام، شاہ پیر گیٹ، میرٹھ

مرشدی ومربی عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری خلیفہ و مجاز حکیم الاسلام مولانا وقاری محمد طیب صاحبؒ سے احقر کا تقریبا چالیس سالہ قدیم تعلق ہے اور یہ تعلق رسمی نہیں، جو استاذ اور طالب علم کے درمیان یا پیر اور مرید کے درمیان ہوتا ہے؛ بلکہ یہ تعلق ایک مشفق باپ اور بیٹے کے جیسا ہے، مدرس ومرید کو تو مہتمم و پیر کے اوصاف بیان کرنے کے لیے کسی تمہید کی یا الفاظ ولغت کا دقیق جامہ پہنانے کی ضرورت ہوتی ہے، مگر مشفق باپ کے اوصاف حمیدہ وکمالات جلیلہ کو بیان کرنے کے لیے بیٹے کو کسی شئ کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور احقر بھی اسی زمرے میں آتا ہے، اسی لیے ان تمام تکلفات سے بے نیاز ہوکر احقر حضرت والا کے ساتھ اپنے چند احساسات اور حضرت والا کی بعض خوبیاں، جو اس دورِ انحطاط میں عنقا ہیں، سپردِ قرطاس کررہا ہوں۔

میں حضرت موصوف کی کیا کیا خوبیاں بیان کروں، آپ نے باپ ہونے کی حیثیت میں ایک شفیق باپ کا کردار نبھایا، مثلاً اگر میں کوئی غلطی کرتا، تو فرماتے کہ قاری صاحب تم سے منع کیا تھا، مگر تم نے کردیا، کبھی کبھی غصہ بھی فرماتے، احقر جب یہ کیفیت دیکھتا کہ حضرت ناراض ہیں، تو برجستہ احقر عرض کرتا حضرت واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، بس یہ الفاظ میری زبان سے نکلتے ہی حضرت کا غصہ فرو ہوجاتا، گویا حضرت والا آیتِ کریمہ ''والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس'' کے صحیح مصداق نظر آتے تھے اور یہ صفت جو حضرت کے اندر موجود تھی، یہ درحقیقت حضرت کے پیرو

مرشد حضرت قاری محمد طیبؒ کی ودیعت کی ہوئی تھی، بڑے سے بڑا گستاخ حضرت کے سامنے آتا اور سرنگوں ہو جاتا، تو حضرت اسے فوراً معاف فرما دیتے، حضرت حکیم صاحب کی اکثر خوبیاں اور اوصاف و کمالات حضرت کی زندگی میں ہم نے دیکھے، وہ نہایت رحم دل، پاک طینت اور شرم و حیا کے پیکر تھے، حضرت اپنے دواخانے میں امام موذن یا ماسٹر اور پڑھنے پڑھانے والوں سے کبھی دوا کی قیمت نہیں لیتے تھے، مریض کے گھر جا کر بھی دیکھتے، مگر فیس کوئی نہیں لیتے، کنویں کی طرح نہ تھے کہ پیاسا آئے اور کھینچ کر پانی پیے، بادل کی طرح تھے کہ جہاں ضرورت ہوتی وہاں سیراب فرماتے۔

حضرت حکیم صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور قرآن پاک کی تعلیم حافظ بشیر الدین صاحب انچولی والوں سے حاصل کی، حضرت حافظ صاحب بڑے متقی، پرہیز گار بزرگ تھے، آپ کا معمول تھا کہ امامت مدرسے کی مسجد میں فرماتے تھے اور کھانا اپنے گھر سے منگا کر کھاتے تھے، کئی کئی روز کی سوکھی روٹی کو صاف کر کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے اور دن رات دین کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔

حضرت حکیم صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد یا غالباً دورانِ تعلیم ہی طبِ یونانی کی تعلیم میرٹھ کے مشہور نباض حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوری رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی، فن طب میں جو مہارت قبلہ حکیم صاحب کو حاصل تھی، وہ حضرت موصوف کی خدمت کا ثمرہ تھا، فن طب میں حکیم صاحب کے کتابی ساتھی حکیم محمد الیاس صاحب کٹھوری تھے، حکیم محمد الیاس کا تعلق حضرت حکیم صاحب کے ساتھ بڑے بھائی یا مخلص رفیق اور دوست جیسا تھا؛ بلکہ وہ ہمارے حکیم صاحب کو بزرگ اور مربی کی حیثیت دیتے تھے، حضرت حکیم صاحب کا معمول تھا کہ مطب سے آنے کے بعد عصر کی نماز اکثر و بیشتر مدرسے کی مسجد میں ادا فرماتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا حکیم محمد الیاس صاحب

مدرسہ تشریف لائے اور احقر سے کہنے لگے کہ قاری عبدالقیوم اب تمہارا کام یہ ہے کہ عصر کے بعد گدے ڈالو اور حضرت حکیم صاحب کو اس پر بٹھاؤ؛ کیوں کہ حکیم الاسلام صاحب کے خلیفہ کو عصر کے بعد مجلس قائم کرنی چاہیے، خانقاہی کام کرنا چاہیے، حضرت حکیم صاحب نے یہ سنکر فرمایا کہ صبح مدرسہ کا کام، مطب کا کام، مگر پھر بھی حضرت کافی عرصے تک لوگوں کو دین کی تلقین و اصلاح فرماتے رہے اور بیعت و ارشاد کا کام شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت کا روحانی فیض پورے ملک؛ بلکہ بیرونِ ملک تک پھیلتا چلا گیا۔

چوں کہ بچپن آپ کا خدا ترس بزرگوں کی نگرانی میں بیتا، آپ نے بچپن میں جو کچھ دیکھا اور سیکھا وہ دل پر نقش تھا، احقر کو اپنے استاذ محترم کی زندگی کے حالات اور اوصاف بیان کرتے ہوئے دیکھ کر فرماتے کہ اپنے اندر سے دنیا کی محبت کو دور کرو اور سادگی کی تلقین فرماتے، آپ نے بارہا فرمایا کہ قاری جی! میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا ہے، یہ دنیا جی لگانے کی جگہ نہیں ہے۔

حضرت حکیم صاحب کے درسِ نظامی کے اساتذہ میں حضرت مولانا اختر شاہ صاحب تھے، جن سے آپ نے بہت ہی علمی فیض حاصل کیا، زمانۂ طالب علمی میں جو واقعات اور حالات موصوف کے ساتھ ہوئے تھے، وہ بڑے ہی فخر کے ساتھ بیان فرماتے، آپ کی درسِ نظامی کی تکمیل مدرسہ امدادالاسلام صدر بازار میرٹھ سے ہوئی، جو غیر منقسم ہندوستان کا بہت ہی مشہور و معروف ادارہ تھا، ملک و بیرونِ ملک سے طلبہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے یہاں آتے تھے، حضرت حکیم صاحب نے اس دور کا ایک واقعہ جو دعوت سے متعلق تھا، سنایا کہ ایک مرتبہ مدرسہ کے کسی معاون کے یہاں طلبہ اور اساتذہ کی دعوت تھی، طلباء کو پہلے صرف ایک قسم کا کھانا کھلا کر رخصت کر دیا اور پھر اساتذہ کے لیے بریانی کے ساتھ قورمہ و دیگر لوازمات دسترخوان پر رکھ دیے، تو حضرت مولانا اختر شاہ صاحب نے

صاحبِ خانہ کو بلا کر پوچھا جب طلبا کھانا کھا رہے تھے، تو ایک کھانا تھا اور اب ہمارے لیے اتنے سارے کھانے، یہ تو تفریق ہے مہمانانِ رسول کے ساتھ، یہ کہہ کر کھانا فوراً اٹھوا دیا اور کہا کہ ہم صرف وہی کھانا کھائیں گے، جو طلباء نے کھایا ہے۔

حضرت حکیم صاحب بڑے اچھے انداز میں اپنے اساتذہ کا ذکر فرماتے، زبان فارسی میں امام کا درجہ رکھنے والے حضرت مولانا اختر شاہ صاحب نے آپ کو اتنا مانجھ دیا تھا کہ بڑے بڑے ماہر فن آپ کے سامنے خاموش رہنے میں ہی عافیت محسوس کرتے، جب آپ فارسی کا کلام سناتے، تو سیکڑوں اشعار بلا تکلف پڑھتے چلے جاتے تھے اور احقر سے یوں فرماتے کہ قاری صاحب ہم نے پڑھا ہے، یہ استاذوں کی محنت کا ثمرہ ہے، آج کا مولوی صرف کپڑے پہن کر چٹکی مارتا ہے، علم سے کورا ہے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے کچھ اساتذہ آئے، احقر ان کو حضرت کے پاس بغرض ملاقات لے گیا، حضرت نے کہا کہ کھانا ناشتہ منگاؤ، میں نے کہا کہ ناشتہ کرلیا ہے، آپ نے خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا پڑھاتے ہو، انھوں نے فارسی اور عربی کی کتاب بتلائی، یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ میں نے فارسی میں آمد نامہ، گلستاں، بوستاں دفتر ابوالفضل تک، سبعہ معلقہ، دیوان حماسہ اور مقامات حریری پوری کی پوری سبقاً سبقاً پڑھی ہے، آج کا مولوی آرام پرستی اور دنیا کی چکاچوند میں کھو گیا ہے، اس لیے مدرس ملنے مشکل ہو رہے ہیں، پھر حضرت نے فارسی کے سیکڑوں اشعار ان علماء کے سامنے بلا تکلف سنائے، تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا معراج الحق کے پاس ان کے کمرے میں تشریف لے گئے، مولانا معراج الحق صاحب مقامات کا درس دے کر آئے تھے، حضرت حکیم صاحب نے معلوم کیا کہ کتنے مقامے پڑھا دیے، تو انھوں نے جواب دیا کہ نصاب تک پڑھا دیا، تو حکیم صاحب نے کہا کہ نصاب کیا ہوتا ہے، پوری کتاب پڑھاؤ، میں نے

اپنے استاذ سے پوری پوری کتاب پڑھی ہے، یہ سنکر حضرت مولانا معراج صاحب نے کہا کہ حکیم صاحب وہ دور جس میں آپ نے پڑھا ہے، وہ خیر القرون کا دور تھا، اب تو نصاب تک بھی ہو جائے، تو غنیمت ہے۔

مولانا معراج صاحب کے پاس سے پھر حضرت حکیم صاحب اپنے پیر و مرشد سے ملنے ان کے دولت کدے پر گئے، حضرت کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا، دارالعلوم کے متعلق گفتگو ہوتی رہی، حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ حکیم صاحب دارالعلوم بیمار چل رہا ہے، اس کے لیے دعا فرمائیں، حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ حضرت جلسہ قریب ہے ختم بخاری شریف کا، تاریخ نوٹ فرمالیں، حضرت حکیم الاسلام نے فوراً تاریخ نوٹ فرمالی، جامعہ عربیہ نورالاسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ دارالعلوم کے محدث حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، علامہ رفیقؒ، مولانا علی میاں ندویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا اسعداللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم، فقیہ اسلام مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم مظاہر علوم وقف سہارن پور، شیخ الحدیث حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ، حضرت مولانا نعیم صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند اور حضرت مولانا حامد حسن تھانویؒ کے علاوہ بھی علمائے ربانیین کی آمد و رفت اور قلبی تعلق مدرسہ ہذا اور حضرت حکیم صاحب سے رہا ہے اور ہمارے سروں پر بھی ان کا سایۂ عاطفت رہا ہے، اس وقت مدرسہ ہذا کے سرپرست خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ہیں، آپ کی دعاؤں سے مدرسہ روبترقی ہے، حضرت حکیم صاحب کی وفات کے بعد ان کے علمی و روحانی جانشین مفتی سید احمد قاسمی سلمہ دن رات مدرسے کی دیکھ بھال میں مصروف ہیں، خداوند تعالیٰ موصوف کو ہر قسم کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور اس امانت (جامعہ ہذا) کو جو معاونین و اراکین اور اساتذۂ

کرام نے مکمل اعتماد اور بھروسے کے ساتھ ان کے حوالے اور سپرد کیا ہے، خداوند تعالیٰ موصوف کو ہمیشہ دیانت اور امانت کے ساتھ اس چشمۂ فیض کو سیراب اور شاداب رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور حکیم صاحب مرحوم کی روایات اور اوصاف حمیدہ اور روحانی فیض کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

اس وقت میرا یہ حال ہے کہ حکیم صاحب کی رہ رہ کر یاد آتی ہے؛ کیوں کہ جب بھی احقر کو کوئی تکلیف ہوتی، تو حضرت خیریت معلوم کرتے، میں کہتا کہ بیمار ہوں تو فرماتے کہ کل کے لونڈے ہو، ابھی سے بوڑھے ہوگئے، ہمت سے کام لو، ڈھارس بندھاتے، تسلی دیتے اور علاج کا حکم دیتے کہ اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے علاج کراؤ، آج سب قاری صاحب کہنے والے رہ گئے، کوئی بیٹا یا بچہ کہنے والا نہیں رہ گیا، اسی غم سے میں نبرد آزما ہوں اور دل سے صرف یہ اشعار نکلتے ہیں:

سکون زندگانی کی دوا پینے کہاں پائیں؟
دلوں کے داغ، دل کے زخم دکھلانے کہاں جائیں؟
ترے گیسوئے الفت سے جنوں کی جن کو نسبت تھی
بتا روحِ اسلام یہ دیوانے کہاں جائیں؟

میں اپنے آپ کو اب یتیم و مسکین محسوس کرتا ہوں، خداوند تعالیٰ موصوف کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور احقر کو اخلاص کے ساتھ اس ادارے کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

﴿اخترِ تاباں﴾

(مفتی محمد آصف قاسمی)

استاذ جامعہ عربیہ نورالاسلام، شاہ پیر گیٹ، میرٹھ

شیخ طریقت، فقیہ العصر عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ ہمارے درمیان نہیں رہے، یہ احساس حد درجہ حسرت ناک اور یہ تصور اولِ وہلہ میں نا قابلِ یقین لگتا ہے، مگر اللہ رب العزت کا فرمان "کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" اٹل ہے، حضرت حکیم صاحب کچھ عرصے سے علیل چل رہے تھے، علاج ومعالجہ کے باوجود ضعف ونقاہت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا، عدمِ صحت اور مسلسل کمزوری دیکھنے اور ملنے والوں کو مایوس کررہی تھی، پھر بھی حضرت والا کی سدا بہار مروت، خوش مزاجی اور خوش اخلاقی نہ صرف زندہ تھی؛ بلکہ شباب پر تھی، اسی گرم جوشی کے ساتھ ملنا، خیریت دریافت کرنا اور ایک آدھ مزاح بھی فرمانا اخیر تک جاری رہا۔

دنیا میں شاید ہی کوئی انسان پوری طرح تندرست ہو، کوئی نہ کوئی تکلیف ہر آدمی کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی ہے، ہر وقت ہر بیماری کے علاج میں سر کھپانا علاج کی بجائے خود ایک بیماری ہی ہے، آدمی کے پاس قوتِ ارادی اور حوصلہ ہو، تو معمولی تکلیفوں کے لیے یہ خود ایک دوا ہے، یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ معمولی تکلیفوں کو حضرت حکیم صاحب اپنے روزمرہ کے برتاؤ، ملنساری، خوش اخلاقی، درس وتدریس، مطالعہ وکتب بینی، مطب کے مشاغل اور دوسرے طے کردہ معمولات ووظائف پر کبھی اثر انداز نہیں ہونے دیتے تھے۔

حضرت حکیم صاحب خوش اخلاق، خوش خصال، خوش گفتار، خوش مزاج، خوش مذاق، خوش پوشاک، سر سے پاؤں تک نفاست، نزاکت، نظافت، شرافت اور نجابت کا پیکر، ناصح، خیر خواہ، خیر پسند، رسول اکرمؐ کی احادیثِ مبارکہ کے ترجمان، سنتوں کے پاسبان، شریعت محمدیہ کے خادم و عالمِ بے مثال، علم و معرفت کے بہشتِ بریں، قرآن عظیم کے مفسر، دین حنیف کے مبلغ، اساطینِ امت کے نمایندہ اور اسلاف و اکابر کے پاکیزہ نمونہ تھے۔

حضرت والا کا ایک خاص امتیاز بدنظری، بے حیائی، بدکاری، عشقِ مجازی، حسن پرستی، فحاشی اور عریانیت کے فتنے سے امت کو آگاہ اور ہوشیار کرنا تھا، حضرت والا نے اپنی فراستِ مومنانہ اور بصیرت سے اس فتنے کی قہر سامانیوں کو محسوس کیا اور اپنے بے شمار مواعظ و ملفوظات میں اس موضوع پر خوب روشنی ڈالی اور اپنی تمام مجالس میں خصوصاً جمعہ کی مخصوص مجلسوں میں لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتے رہے اور یقیناً ہزاروں افراد کو ان کے ذریعے توبہ و اصلاح کی توفیق نصیب ہوئی۔

حضرت والا کمال تقویٰ کے مقام عالی پر فائز تھے، جس کی بنا پر کبھی بھی شاہ راہ پر ادھر ادھر نظر اٹھا کر نہیں چلتے تھے کہ مبادا غیر مباح چیزوں پر نظر نہ پڑ جائے۔

حضرت والا کی شخصیت کی دل آویزی، بذلہ سنجی، اخلاق کریمانہ، مروت، محبت و مودت، تحمل و بردباری، شرافتِ نفس اور وجاہت یہ ایسے اوصاف ہیں، جو ان کے لیے قانون قدرت "کل نفس ذائقة الموت" کے نافذ ہو جانے کے بعد بھی ہمیشہ آب و تاب کے ساتھ ذہنوں میں زندہ رہیں گے، حضرت والا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپ بیک وقت ایک عالم بھی تھے، خطیب بھی، حکیم حاذق بھی، طبیبِ روحانی بھی، مدرس بھی، واعظ بھی اور مصلحِ امت بھی، الغرض ایک عالمِ باکمال میں جتنی خوبیاں اور صفات ہو سکتی ہیں، وہ تمام بدرجۂ اتم حضرت والا کی ذات میں موجود تھیں۔

مہمان نوازی ایمان کی نشانی، انبیاء کی نسبت اور شرافت کی علامت ہے، حضرت والا کو اس کی بھی توفیق ارزانی ہوئی تھی، آپ مہمانوں کے آرام وسکون اور ان کی راحت رسانی کے لیے بے چین رہا کرتے تھے، حضرت والا غرباء، اعزا واقارب، محلّہ دار، ہمسایوں اور علماء کے حقوق کی ادائیگی کے لیے بے تاب رہتے اور حتی الامکان ان کا تعاون فرماتے، بہت سے گھرانوں اور بیواؤں کے لیے تعاون کا ایک بڑا سلسلہ رکھتے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب انسان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے، تو اس کے سارے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کا باقی رہتا ہے (۱) صدقۂ جاریہ (۲) علمِ نافع جس سے لوگ نفع اٹھائیں (۳) اولادِ صالح، جو اس کے لیے دعائیں کرے، اس حدیث کے مصداق وہ خوش نصیب اور خوش قسمت انسان ہیں، جن کے حصے میں مذکورہ تینوں سعادتیں آئی ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ حضرت حکیم صاحب کو یہ تینوں سعادتیں حاصل تھیں، صدقہ جاریہ جامعہ نورالاسلام کی شکل میں موجود ہے، اور اولادِ صالح آپ کے خلیفۂ ارشد، جانشین، رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی سید احمد صاحب قاسمی خلیفہ ومجاز خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی زید مجدہم کی صورت میں موجود ہے۔ علم نافع آپ کی تصانیف اور آپ کے تیار کردہ افراد کی شکل میں موجود ہیں۔

حضرت حکیم صاحب کی ولادت ۲۰؍جنوری ۱۹۱۸ء کو میرٹھ شہر کے محلّہ بھاٹ واڑہ میں ہوئی (اس محلّہ کی کثیر آبادی غیر مسلموں پر مشتمل ہے) آپ نے تعلیم کا آغاز مدرسہ نورالاسلام سے کیا، جو اس وقت ایک مکتب کی شکل میں تھا، بعد از تعلیم آپ نے اس کو بامِ عروج پر پہنچادیا، اس کے بعد آپ نے مکمل تعلیم مدرسہ امدادالاسلام صدر بازار میرٹھ میں جید اور ماہر فن اساتذہ سے حاصل کی خصوصاً شیخ الادب حضرت مولانا شاہ محمد اختر خاں صاحب امروہویؒ سے حاصل کی۔

آپ نے اپنا اصلاحی و تربیتی تعلق جناب مستری احمد حسن صاحب دہرادونیؒ، قطب الاقطاب حضرت مولانا سید آل حسن صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا وقاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے قائم فرمایا اور ان ہی سے آپ کو خلافت و اجازت بھی حاصل ہوئی۔

آپ کی تصانیف کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، جن میں مشہور ''ملت اسلام کی محسن شخصیات، تحفۃ الاسلام، منع الصالحات عن حضور الجماعات، حیات اختر اور مناجاتِ اسلام وغیرہ ہیں۔''

یکم دسمبر ۲۰۱۲ء کو حضرت حکیم صاحب کی رحلت سے اس ناچیز کو ایسا غم لاحق ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے ایسا لگا کہ خون کی گردش رک سی گئی ہو، اب بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ حضرت والا ہمارے درمیان نہیں رہے، وہ شفقتیں، وہ عظمتیں، وہ بزرگیاں، وہ خورد نوازیاں اور اپنے نیازمندوں اور خادموں کے لیے وہ ہمدردیاں رہ رہ کر یاد آتی ہیں... اب کہاں نصیب؟!

دردِ دل، دردِ جگر، دردِ زباں کس سے کہوں؟
ہم پہ جو گزری ہے، وہ دردِ نہاں کس سے کہوں؟
کتنا مغموم ہوا ہے یہ جہاں کس سے کہوں؟
دل کو جھلسا گئی یہ برقِ تپاں کس سے کہوں؟
آہ وہ سایہ فگن شجرِ تناور نہ رہا!
منشی باقرؒ[1] کا پسر علم کا نیر نہ رہا!

---

[1] مراد حضرت حکیم صاحب علیہ الرحمہ۔

حضرت حکیم صاحب کے اچانک رخصت ہو جانے سے ایک عجیب سناٹا اور ایک ناقابلِ بیان حسرت اور اداسی ہے، علمی حلقوں کے ساتھ ساتھ عوامی اور سیاسی و سماجی حلقوں میں بھی حضرت والا کی رحلت پر گہرے رنج و غم کا احساس کیا جا رہا ہے، ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل میں ان کی جدائی کا درد محسوس کیا جا رہا ہے۔

اللہ پاک ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور حضرت والا کو اپنے شایانِ شان اجر و ثواب عطا فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

﴿آہ! عظیم شخصیت نہ رہی﴾

(مفتی محمد حسن قاسمی)
خادم التدریس جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ۔

حامداً ومصلیاً، امابعد!

کل نفس ذائقۃ الموت (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہر مذھب کے ماننے والے تسلیم کرتے ہیں، دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکار موت پر متفق ہیں، اور یہ اتفاق محض اتفاق نہیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں، یوں تو دنیا میں ہر ایک جانے کے لیے آتا ہے، لیکن بقول شاعر:

موت اس کی ہے جس کا کرے زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں آئے ہیں سبھی مرنے کے لیے

عارف باللہ خلیفۂ حکیم الاسلام حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کا انتقال پرملال اس شعر کا مصداق اور امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔ حضرت اقدس اگر ایک طرف جامعہ عربیہ نورالاسلام کے باوقار بانی اور مدیر تھے تو دوسری طرف بہت سے مدارس کے سرپرست بھی تھے، حضرت اقدس اگر ایک طرف افراد انسانیت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر علاج کرنے والے روحانی طبیب تھے تو دوسری طرف جسمانی طبیب حاذق بھی تھے، بیک وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو ایسی صفات حمیدہ اور اوصاف جلیلہ سے متصف فرمایا تھا جو ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے، ایک طرف جامعہ کی عظیم ذمہ داری تو دوسری طرف طبابت کی شکل میں خدمت خلق کی فکر نیز مستقل مرض اور نقاہت کے باوجود خانقاہی فیضان کو جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے طلباء کو پابندی کے ساتھ درس دینا، اور اساتذۂ جامعہ کی خبر گیری یہ وہ کارہائے

نمایاں ہیں جن میں حضرت والاؒ کی مثال اس دورنابکار میں ملنا مشکل ہے، اوران تمام امورکی انجام دہی میں حضرت والاؒ نے اپنے اکابر کے نقش قدم کوملحوظ خاطر رکھا، مزید برآں اپنے معمولات کی پابندی ،کم گفتن،کم خوردن،کم خفتن ،کم خوابیدن، عاجزی وانکساری ،استغناء اخلاص وللّٰہیت،اخلاق ومروت، جودوسخا،صبروحلم، پیچیدہ امورکوسلجھانے کا ہنر، یہ آپؒ کے وہ اوصاف ہیں جن میں آپ امتیازی شان کے حامل تھے تقدیرخداوندی کے اس عظیم شخص نے یکم دسمبر۲۰۱۲ء بروز ہفتہ بوقت صبح داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا اوردارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت والاؒ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ہوتے ہی علماء ،ائمہ مساجد، عمائدین شہر، دوردراز سے محبین ومتوسلین اورعوام کا جم غفیر جمع ہوگیا اوراپنے محسن ومربی کی نماز جنازہ میں شرکت اورنمناک نگاہوں کے ساتھ آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے نماز ظہر کا انتظار رہا، بعدصلوٰۃ ظہر حضرت والا کے جنازہ کوشاہ پیرقبرستان میں اس ماحول میں لے جایا گیا کہ:

اداسیاں ہیں ہرایک جانب، یہ کون محفل سے جارہا ہے

کثرت اژدھام کی وجہ سے بہت سے لوگوں کوخاکِ تربت بھی میسر نہ آسکی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حق تعالیٰ تمام مریدین ،محبین ،تلامذہ اورجامعہ کے اساتذہ وارکان کوخصوصاً پسماندگان کوصبرجمیل کی توفیق عطافرمائے اورحضرت والا نے جوثمرآوردرخت جامعہ عربیہ نورالاسلام کی شکل میں چھوڑا ہے، اللہ تعالیٰ اس کوسلامت رکھے اورطالبان علوم ومعارف کی تشنگی کو دورکرنے کے لیے اس شجرکوشادابی عطافرمائے اورحضرت والا کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اورحضرت حکیم صاحب کوترقیٔ درجات عطافرمائے۔آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

ایک عالم ربانی کا وصال

(مفتی محمد طیب قریشی)

استاذ مدرسہ شاہ ولی اللہ بنگلور

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدالمرسلین .اما بعد

ہمہ شہر پرزخوباں ومنم درخیالِ ماہے
چہ کنم کہ نفسِ بدخونہ کندبکس نگاہے

(تمام شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے؛لیکن میں ہوں کہ کسی دوسرے چاند کے خیال میں گم ہوں، میں کیا کروں کہ میری بدخوطبیعت کسی پر نگاہ ہی نہیں ڈالتی)

لیکن حضرت الحاج مولانا حکیم محمد اسلامؒ کی شخصیت کا سحر کہہ لیجیے،ان کی صلاح و نیکی کا عنوان دیجیے یا احقر کی خوش بختی سمجھ لیجیے کہ پہلی ہی ملاقات میں طبیعت کہہ اٹھی:

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جاایں جااست

۱۹۹۷ء کی بات ہے کہ احقر اپنی مادرِ علمی دارالعلوم وقف دیوبند میں زیرِ تعلیم تھا، احقر کی عادت تھی کہ خارجی اوقات میں اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتا،ان کی مجالس میں شریک رہتا اور علمی استفادہ کرتا، میں نے جب بھی ان کی مجلس میں تصوف اور خانقاہ کی گفتگو سنی،تو اس میں اکثر و بیشتر حضرت مولانا حکیم محمد اسلام میرٹھیؒ کا ذکر ضرور سنا،جس سے احقر کو حضرت والا سے غیر محسوس طور پر عقیدت ہوتی گئی،حسنِ اتفاق کہ اسی دوران رفیقِ درس مفتی محمد آصف میرٹھی و مفتی سید احمد قاسمی سے بے تکلفانہ تعلق ہوگیا،تو ان کی زبانی حضرت حکیم صاحب کے حالات وواقعات سن کر آپ سے ملاقات کا شوق بامِ عروج پر پہنچ گیا اور

پھر ایک روز ان ہی حضرات کے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو گیا، حضرت والا کو دیکھتے ہی احقر کے ذہن و دماغ میں بایزید بسطامیؒ کی یاد تازہ ہو گئی کہ جنھیں دیکھتے ہی اللہ یاد آجاتا تھا، آپ نے مجھ سے مسکراہٹ کے ساتھ ملاقات کی اور بہت سارے پند و نصائح سے مستفید فرمایا، آپ کی مقناطیسی شخصیت نے ایک عالم کے عالم کو اپنی طرف کھینچا، بے شمار لوگوں نے آپ کے فیضِ صحبت سے جلا پائی، آپ کے وجود سے شجرِ اسلام سرسبز و شاداب رہا، مگر ان سب کے باوجود آپ تواضع اور انکساری کے پیکر تھے، آپ کی ذات میں تصنع اور بناوٹ نام کو نہ تھا، خودستائی سے کوسوں دور تھے، آپ انتہائی خلیق و ملنسار تھے، گویا آپ کی شخصیت وقار و عظمت کا حسین مرقع تھی۔

حضرت حکیم صاحبؒ جہاں مدرسے کے ذریعے تشنگانِ علومِ نبوت کو سیرابی فراہم کرنے میں کوشاں رہتے، وہیں عوام الناس میں رشد و ہدایت کے فقدان کی وجہ سے بے چین و بیقرار رہتے، اس مقصد کے لیے آپ نے اپنے مرشدِ کامل حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے حکم کے بموجب خانقاہِ طیب قائم فرمائی، جس کے ذریعے بھٹکے ہوئے لوگوں نے راہِ ہدایت پائی، بے شمار لوگ آپ سے ارادت و عقیدت کا تعلق قائم کر کے آفتاب و ماہتاب بن گئے۔

تصوف میں آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جو حضرات کسی دوسرے سے اصلاح کا تعلق قائم کر کے بیعت کر چکے تھے، وہ بھی حضرت والا سے قربت و تعلق و صحبت کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، آپ بھی انھیں محروم نہ فرماتے، آپ سے فیض یافتہ و صحبت یافتہ مسترشدین کی تعداد تو لاکھوں سے متجاوز ہے، البتہ آپ کے اجلِ خلفاء (احقر کے اساتذہ میں) فخر المحدثین علامۂ وقت حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ، خطیب العصر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی اور فردِ فرید حضرت مولانا فرید الدین صاحب قاسمی سرِ فہرست ہیں۔

حضرت حکیم صاحب کے اچانک وصال سے سارا عالم سوگ وار ہے اور علمی حلقہ سکتے میں ہے؛ لیکن قضا و قدر کو ٹالنے کی کسی میں مجال نہیں؛ اس لیے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ حضرت والا کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے اور انھیں اپنا قربِ خاص عطا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

☆☆☆

﴿آہ! میرے مشفق و مربی﴾

(مولانا رئیس احمد قاسمی)

استاذ جامعہ عربیہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ۔

قال عز اسمہ: ”کل نفس ذائقة الموت“.

موت سے کسی کو رستگاری نہیں، جب انبیاء علیہم السلام جیسے مقربینِ بارگاہِ ایزدی کو دنیا میں دوام نصیب نہیں ہوا، تو پھر دوسروں کی تو حیثیت ہی کیا ہے، یہاں تو جو بھی آیا ہے، بہر حال جا کر ہی رہے گا؛ لیکن جانے والے کئی طرح کے ہوتے ہیں، کوئی جاتا ہے، تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی، بس گھر والے اور قریبی متعلقین اسے آخری آرام گاہ تک چھوڑ آتے ہیں، مگر کوئی اس شان سے دنیا سے جاتا ہے کہ ایک عالم اس کی جدائی پر بے چین و بے قرار ہو جاتا ہے، گویا ایک سایہ اچانک اٹھ گیا ہو یا خیر کا دروازہ اچانک بند ہو گیا ہو، کچھ ایسی ہی شان سے میرے مشفق و مربی، سرپرست اور رہنما، مہتمم و مجاہدِ آزادی حضرت الحاج مولانا حکیم محمد اسلام انصاری نے بھی دنیا سے سفرِ آخرت اختیار فرمایا ہے۔

جامعہ نورالاسلام اپنے مہتمم کی جدائی پر تصویرِ حیرت ہے، بے شمار سالکینِ معرفت کی نگاہیں اپنے مرشد کو ڈھونڈھ رہی ہیں، مگر وہ سبھوں کو چھوڑ کر اپنے ربِ حقیقی سے جا ملے۔

راقم الحروف کو کم و بیش پچیس، چھبیس برس حضرت مرحوم کے زیرِ سایہ شعبۂ حفظ و تجوید میں خدمت کا موقع ملا، الحمدللہ اس طویل عرصے میں حوصلہ افزائی میں کبھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، ہمیشہ ہمت افزائی فرمائی۔

حضرت حکیم صاحب اپنے وقت کے جید عالم، قطبِ دوراں اور فقیہ تھے، آپ

کے اوصافِ جمیلہ بے حد ہیں، آپ سادہ مزاج وحق شناس، خوش خلق، نیک طینت تھے، عالی ظرفی آپ کا خصوصی وصف تھا، ایک عرصۂ دراز تک حکیم صاحب کے شب وروز دیکھنے کا موقع ملا، ہر کوئی پہلی ہی ملاقات میں آپ کا گرویدہ وعاشق ہوجاتا تھا، رحم دلی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، کسی کی پریشانی آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی، کئی مرتبہ تو احقر کے ساتھ یہ بات پیش آئی کہ میں کسی الجھن اور پریشانی میں ہوا اور حضرت سے اس کا تذکرہ کیا، تو حضرت برجستہ دعا دیتے اور وہ پریشانی دور ہوجاتی۔

حضرت حکیم صاحب کے بارے میں کیا تذکرہ کیا جائے، سادہ کپڑا، سادہ لباس اور سادہ کھانا وہ بھی نہایت ہی معمولی، دنیا سے بے رغبتی اور توجہ الی اللہ آپ کی خصوصی صفت تھی، ہر کس وناکس سے ایسے ملاقات فرماتے کہ گویا آپ اس کو پہلے سے جانتے ہیں، آپ اپنے وقت کے ماہر طبیب وحاذق نباض رہے، تقریباً ساٹھ ستر سال مطب سے وابستہ رہے، مطب جاتے وقت مدرسے میں ضرور حاضری دیتے اور مکمل دیکھ بھال اور نگرانی رکھتے، خلاف ادب وشریعت کوئی کام ہوتا، تو فوراً ٹوک دیتے اور نہایت اچھے انداز میں تنبیہ فرماتے، گویا آپ کے غصے پر آپ کا حلم وبردباری غالب تھا، خدمتِ خلق کا جذبہ آپ کے دل میں بھرا ہوا تھا، غربا پروری حدِ عروج کو پہنچی ہوئی تھی اور اپنی ملکیت سے غریب و نادار اور مفلس کو مفت دوائی دیا کرتے تھے، اسی طرح اساتذہ طلباء یا کوئی دین دار شخص، چاہے وہ کسی بھی مدرسہ یا مسجد سے تعلق رکھتا ہو، مطب میں پہنچ جاتا، تو اس کو فی سبیل اللہ دوائی دیا کرتے تھے، آپ جامعہ نورالاسلام کے بانی مبانی رہے، اس کی تاحیات آب یاری کی اور اسے بامِ عروج پر پہنچایا، آپ مدرسے کی خاطر از خود ہی بغل میں تھیلا لیے پورے سال وصول یابی فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ سبھی باشندگانِ میرٹھ اچھی طرح جانتے ہیں، ہمیشہ آپ کا یہ معمول رہا کہ گھر سے نکلتے وقت مدرسہ میں حاضری ہوتی اور حسبِ

ضرورت مفید مشورہ دے کر دو چار لوگوں سے مدرسے کی نسبت پر ملاقات کرتے اور اس کے لیے وصول یابی فرماتے، آپ عبادت و ریاضت بھی تمام رات فرماتے، صرف بعد نماز فجر و اشراق تھوڑی دیر آرام فرماتے۔

آپ اپنے اساتذہ کا ذکرِ خیر کثیر کیا کرتے تھے، بالخصوص حضرت مولانا اختر شاہ صاحبؒ کا، جو مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میں درس دیا کرتے تھے۔

آپ تصوف و سلوک میں خاندانِ قاسمی کے چشم و چراغ حکیم الاسلام مولانا و قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیعت مجاز رہے اور ان ہی کے نام پر خانقاہِ طیب کا قیام عمل میں آیا، جس میں ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ روحانی مجلس لگا کرتی تھی، اس مجلس میں آپ کے مواعظ ''تذکیر الاسلام'' کے نام سے چھپ چکے ہیں، آپ کی اس کے علاوہ بھی متعدد تصنیفات ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: درسِ بخاری، درسِ مسلم، ملت اسلام کی محسن شخصیات، حیاتِ اختر، منع الصالحات عن حضور الجماعات وغیرہا۔

آپ کی کون کون سی صفت پر روشنی ڈالی جائے، بس ایک واقعہ بیان کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ایک طالب علم کی سبق و پارہ نہ سنانے پر احقر نے پٹائی کر دی، تو اس نے مطب میں جا کر حکیم صاحب سے شکایت کر دی، اگلے روز حکیم صاحب میرے پاس آئے اور مجھے مسجد میں بالکل علیحدہ لے گئے اور مجھ سے کہا کہ مولوی صاحب! مار دھاڑ کا زمانہ نہیں ہے، ان بچوں پر ترس کھایا کرو، یہ دور دراز سے اپنے والدین کو چھوڑ کر آتے ہیں، مدرس کا یہ کام نہیں کہ وہ ہر طالبِ علم کو محدث و مفسر بنائے؛ بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کی استعداد کے مطابق دینی معلومات سے اس کو سنوار دے اور یہی قیامِ مدارس کی غرض بھی ہے۔

خدا کی قسم آپ کی زبان سے یہ الفاظ جاری تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ احقر کی

آنکھوں سے آنسوؤں کی بوچھار جاری تھی، اتنا نرم انداز تھا کہ میں اسے بیان نہیں کرسکتا، آج تک ایسا شفیق مربی میں نے نہیں دیکھا اور میں تو ان کو ابا جی ہی کہتا تھا۔ حضرت حق جل مجدہ حکیم صاحب کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور اور آپ کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

﴿میر کارواں ہوتو ایسا﴾

(مولانا سید ولی اللہ قاسمی)
منگولپوری، دہلی

سرزمینِ میرٹھ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے پوری دنیا میں معروف بھی ہے اور متعارف بھی، ہندوستان کی جنگِ آزادی کا پہلا علم جو بلند ہوا تھا، اس کا گواہ بھی میرٹھ شہر ہے، مگر گزشتہ صدی اور موجودہ صدی میرٹھ کی سرزمین سے ایک ممتاز صوفی، بزرگ، علم و عرفان کے مالک، استاذ الاساتذہ کی روحانی شان اور ان کی علمی رفعتوں اور شہرتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے، موجودہ دور کے مؤرخ جب بھی شہر میرٹھ کی تاریخ لکھنے کے لیے اپنے قلم کو جنبش دیں گے، تو یقیناً اس بزرگ کے ذکر کے بغیر نہ تو اس شہر کی تاریخ مکمل ہوگی اور نہ ہی تاریخ کے ساتھ انصاف، جی ہاں میں بات کر رہا ہوں علم وعمل، جود وسخاوت، فکر و فن، قیادت و سیادت، شرافت وشہرت، نشانِ وجاہت، نظامت وطبابت، عقیدت ومحبت اور حسنِ اخلاق وکردار کے پیکر شیخ المشایخ، استاذ الاساتذہ، عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری کی، جنھوں نے اپنی علمی خدمات اور جہدِ مسلسل کے ذریعے ایسی تاریخ رقم کی ہے، جس کی مثال پیش کرنے سے دورِ حاضر عاجز وقاصر ہے۔

تقریباً ایک صدی قبل میرٹھ شہر کے منشی باقر کے یہاں مولود ہونے والا بچہ محمد اسلام ملتِ اسلامیہ کے لیے ایسا عظیم الشان سرمایہ چھوڑ کر جائے گا کہ کسی کے وہم وخیال میں ایسی بات نہیں ہوگی، حضرت الحاج مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ اکابر کی عظمت ورفعت کے نشان تھے، میانہ قد، خوب صورت چہرہ، گھنی ڈاڑھی، آنکھوں میں علم کی چمک، چہرہ پر

وقار، پیشانی پر نور، ہونٹوں پر ایمانی سرور، رفتار میں تواضع، گفتار میں سلیقہ، لباس میں پاکیزگی، علماء اور اکابر کے محبوب اور نورِ نظر، جید الاستعداد، علم قابلِ رشک، حدیث وفقہ پر گہری نظر، مگر فارسی منظورِ نظر، سادگی قابلِ تقلید، ہمیشہ مطب میں بیٹھ کر خدمتِ خلق کا جذبہ، جامعہ نورالاسلام کا انتظام وانصرام خوب صورت اور مثالی، طلباء پر شفقت وعنایت، اساتذہ و طلباء کو وظائف کے علاوہ جیبِ خاص سے عنایت فرماتے رہتے، اکابر علماء کی مدرسے میں آمد ہوتی رہتی، حضرت حکیم صاحب انھیں ہدایا اور تحائف سے نوازتے، جود وسخا آپ کا وصفِ امتیاز، نظافت ونفاست آپ کی طبیعت، خلقِ خدا سے محبت اور ان کی خدمت آپ کی فطرت، ان اوصاف وکمالات کے حامل تھے حضرت حکیم صاحبؒ، ورثہ میں بھی علمی خزانہ جامعہ نورالاسلام کی شکل میں میرٹھ کا ممتاز ادارہ اور متعدد تصنیفات وتالیفات ملت کے حوالے کر کے چلے گئے:

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

راقم الحروف بھی حضرت حکیم صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے، یوں تو حضرت تمام ہی طلباء پر شفقت وعنایت کے پھول برساتے، مگر احقر کو حضرت مولانا شمیم احمد صاحب استاد جامعہ ہذا کا برادرِ اصغر ہونے کی وجہ سے انتہائی توجہ اور عنایتوں سے نوازتے، حضرت حکیم صاحب کا گلستاں وبوستاں کا سبق اور شہر میں سیرت کے جلسوں میں ان کی تقریر ووعظ آج بھی ذہن ودماغ کے دریچوں میں سیر کرتی رہتی ہیں:

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شانِ رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے میرِ کارواں تجھ پر

حضرت حکیم صاحب کی یاد میں ایک یادگار مجلّہ شائع ہورہا ہے، اس میں احقر کی ان یادوں اور خراجِ عقیدت کے ان الفاظ کو شامل کرنا یقیناً میرے لیے خوش بختی کی علامت اور ذخیرۂ آخرت کا ذریعہ ہے۔

میں مبارک باد دیتا ہوں حضرت حکیم صاحب کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی سید احمد صاحب کو جنھوں نے حضرت حکیم صاحب کی خدمات اور کارناموں کو بعد از مرگ ملت کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے؛ تاکہ آنے والی نسلیں ان کے کارناموں کو پڑھیں اور ان کی صفات کو اپنی زندگیوں کا جزو لاینفک بنانے کی سعی کریں۔

حضرت حکیم صاحب تو خود مستقل ایک تاریخ، ایک ادارہ اور کتب خانہ تھے، ان کے بارے میں جتنا لکھئے، بولیے اور تذکرہ کیجیے ناتمام ہے۔

غرض یہ کہ ایسی عظیم الشان شخصیت یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ اپنی ساری زندگی محبت وشفقت اور جہدِ مسلسل کے بعد حفیظ کے اس شعر کی عملی تصویر بن گئے:

حفیظ ہوگیا آخر اجل سے ہم آغوش
تمام شب کا ستایا ہوا سحر سے جاملا

حضرت حکیم صاحب اب ہمارے درمیان جسمانی طور پر تو نہیں، مگر جامعہ نورالاسلام، تقریباً دوسو خلفاء اور ہزاروں مستفید ہونے والے تلامذہ ہمیشہ ہمارے درمیان حضرت حکیم صاحب کی موجودگی کی گواہی دیتے رہیں گے۔

☆☆☆

ایک چراغ اور بجھا

(مولانا محمد عمر قمر کھجوروی)

خطیب مسجد نوگزہ میرٹھ

ہم شہر میرٹھ کے ایسے مقام پر کھڑے ہیں، جو بڑے پایے کے بزرگ کا علاقہ کہلاتا ہے، وہ شاہ پیر گیٹ نام سے معروف ہے، شاہ پیرؒ کی مسجد اور آپ کا مزار بھی اسی علاقے میں ہے، اسی علاقے میں ایک دورۂ حدیث شریف کا مدرسہ نورالاسلام ہے، جہاں سے علماء، فضلاء اور قراء حضرات ہر سال نکلتے ہیں، اسی مدرسہ نورالاسلام، جس کی نوک پلک سنوارنے میں عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ نے ساٹھ یا پینسٹھ سال صرف کیے اور بغیر تنخواہ کے مدرسہ اور طلباء کی خدمت کی، حضرت حکیم صاحب یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ صبح قریب سات بجے ہزاروں لوگوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر مالکِ حقیقی سے جا ملے، آپ کے وصال کی خبر سن کر آپ کے متوسلین، دارالعلوم کے علماے کرام، دہلی، مرادآباد اور سہارن پور سے علمائے کرام بڑی تعداد میں شہر میرٹھ میں نازل ہوگئے، آپ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہورہا تھا کہ گویا ابھی بول پڑیں گے، چہرہ نورانی، قد درمیانہ، داڑھی بھری ہوئی غرضیکہ سارا جسم منور اور بھرپور تھا، بعد نماز ظہر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی، مدرسہ نورالاسلام سے شاہ پیر گیٹ تقریباً نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے، جہاں تک نمازیوں کا ہجوم تھا، قمر کھجوروی نے بے ساختہ کہا:

زندگی کا دائمی تو سفر ہی نہیں
موت سے کسی کو مفر ہی نہیں

کل نفس ذائقة الموت کی سچائی سے کون انکار کرسکتا ہے، چاہے آدمی قلعی اور چونوں شیشوں کے تابوت ہی میں کیوں نہ بند ہوجائے، موت تو ہر جگہ ہی آلے گی۔

مدرسہ نورالاسلام سے چند قدم دور حضرت حکیم صاحب کا رہایشی مکان ہے، جہاں سے جنازہ کو اٹھایا گیا، پھر مدرسہ لایا گیا، نماز جنازہ کے بعد مدرسہ سے مشرق کی طرف لے کر چلے، جہاں شاہ پیر گیٹ بنا ہوا ہے، مین روڈ پر آئے، تو جم غفیر ہاپوڑ اڈہ کی طرف مڑ گیا، تقریباً پونے دوکلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے مسجد املیان ہوتا ہوا شاہ پیر گیٹ تک پہنچا، حکیم صاحب کو شاہ پیر کے قبرستان میں مغرب شمال کے کونے میں ان کی اہلیہ محترمہ کے برابر میں شام ۴/ بجے سپردِ خاک کردیا گیا:

مرگئے ہم تو زمانہ نے بہت یاد کیا

میرٹھ کے محکمۂ انتظامیہ نے حکیم صاحب کے اعزاز میں میرٹھ کے ہاپوڑ اڈہ سے لے کر املیان، شاہ پیر گیٹ، بکرا پینٹھ، اندرا چوک تک ٹریفک بند کررکھا تھا، حضرت حکیم صاحب نے مولانا غلام غوث ہزاروی کی طرح اپنا مکان اپنے دونواسوں مولانا مفتی سید اور حافظ و قاری محمد احمد کو دے دیا، حضرت کے کوئی صاحب زادہ نہیں تھا، یہ دونوں ہی صاحبزادے مدرسہ نورالاسلام سے وابستہ ہیں۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب خدمت خلق کے بہت ہی رسیا تھے، مدارس کے طلباء، اساتذہ ومؤذنین کا علاج بھی مفت کیا کرتے تھے:

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

☆☆☆

﴿تقویٰ و تصوف کا پیکر جمیل﴾

(مفتی سید محمد اسلم قاسمی)

امام وخطیب مدینہ مسجد، کبیر نگر دہلی

یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ کی صبح میرے موبائل فون پر پیغام (میسیج) آیا، مجھے موبائل میسیج لکھنے، پڑھنے اور بھیجنے میں دل چسپی نہیں؛ اس وجہ سے نظر انداز کر دیا، دوبارہ پھر آواز آئی، لگاتار میسیج وہ بھی بے وقت، فوراً متوجہ ہونے میں ہی عافیت سمجھی، میسیج دیکھتے ہی ایسا لگا، جیسے پاؤں کے نیچے زمین نہیں، ناشتہ سامنے مگر طبیعت کو گوارہ نہیں، چائے ہاتھ میں تھی، تو ہاتھ میں ہی رہ گئی، یہ خبر تھی ایک عالمِ باکمال، قطبِ عالم، عارف باللہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری رحمہ اللہ مہتمم جامعہ نورالاسلام، میرٹھ کی وفاتِ حسرت آیات کی، یہ اطلاع تھی ہمارے سروں سے عظیم المرتبت اور مشفق ومربی استاذ کے سایہ اٹھ جانے کی، جن کو ہم طلباء اور شہر کا ہر چھوٹا بڑا حکیم جی یا حکیم صاحب کہتے تھے۔

حضرت حکیم صاحب کی وفات سے ہر طرف جو کہرام بپا ہوا، وہ بیان سے باہر ہے، انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جوق در جوق شہر اور اطرافِ شہر سے اپنے عظیم رہنما کے آخری سفر کا گواہ بننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

حضرت حکیم صاحبؒ علم وعمل، تقویٰ وطہارت، جود وسخا، تدریس وتصنیف، خطابت وطبابت، نظامت وقیادت، شفقت وعنایت، سلوک وتصوف میں یکتائے روزگار تھے، آپ کا لگایا ہوا پودا ''جامعہ نورالاسلام'' ایک عظیم الشان ادارہ اور جامعہ کی شکل میں پوری دنیا میں معروف ہو چکا ہے، حضرت حکیم صاحب کی شبانہ روز کی جد وجہد اور اخلاص کی

زندہ مثال جامعہ نورالاسلام، جس کے فارغین وفضلاء برصغیر کی حدوں سے تجاوز کر کے دنیا بھر کے مختلف خطوں اور علاقوں میں اپنے مسلک ومشرب کی نہ صرف ترجمانی کا حق بخوبی ادا کررہے ہیں؛ بلکہ میرٹھ کی سرزمین کو علمی اعتبار سے متعارف بھی کرا رہے ہیں، دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ جس دوراہے پر کھڑی ہے، وہاں سے اس کا صحیح جانب رخ موڑنے کے لیے علماء، اتقیاء اور صوفیاء کا وجود ہمارے درمیان خال خال ہی نظر آتا ہے؛ لہذا اس قحط الرجال کے دور میں حضرت حکیم صاحب کا سانحۂ وفات یقیناً امتِ مرحومہ کے لیے قیامتِ صغریٰ ہے:

ضرورت جتنی بڑھ رہی ہے صبحِ روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہو رہا ہے

کون جانتا تھا کہ کہ تقریباً ایک صدی پہلے منشی باقر (حضرت کے والد محترم) کے یہاں پیدا ہونے والا بچہ ایک دن اپنے زہد وتقویٰ، علم وعمل اور دین کے تئیں اپنے لگن اور ہمت کی وجہ سے نہ صرف شہر میرٹھ کا نام روشن کرے گا؛ بلکہ پوری دنیا کو اپنی قیمتی علمی میراث دے کر جائے گا، جس کی وجہ سے تشنگانِ علومِ نبوت تا قیامت اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے (انشاءاللہ)۔

احقر کو حضرت حکیم صاحبؒ کے سایۂ عاطفت میں پہنچنے کا شرف اس وقت حاصل ہوا، جب ۱۹۹۷ء میں احقر کا جامعہ میں داخلہ فارسی میں ہوا، فارسی اول، دوم، سوم یعنی چار سال حضرت کے سایۂ عاطفت میں گزارے، اس وقت حکیم صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، ماضی میں حسنِ اوصاف اور کمالات کے بارے میں عم محترم (حضرت مولانا شمیم صاحب استاذ جامعہ ہذا) کے ذریعے ہم سنتے تھے، اب ان اوصافِ حمیدہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

یقیناً حضرت حکیم صاحب طلباء واساتذہ کے لیے انتہائی شفقت ومحبت کے پیکر تھے اور طلباء کے ساتھ مشفق باپ کا رویہ ہوتا تھا، کبھی ہم طلبہ اپنی ناساز طبیعت کو لے کر حضرت کے مطب پر جاتے، تو بطور تسلی فرماتے ''بخار تو تجھے نہیں ہے، مگر یہ دوائی لے لے اور ہاں لے یہ پیسے، جا کر دودھ پی لینا'' دوائی بھی دیتے اور دعائیں بھی، ایک مرتبہ تمام طلباء بعد نماز عصر مدرسہ کے کسی خیر خواہ کے یہاں قرآن خوانی میں چلے گئے، قرآن خوانی ہوئی، دورانِ دعا معلوم ہوا کہ صاحبِ خانہ کے والد فوت ہوگئے تھے، ان کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی اور طعام کھانی (یعنی دعوتِ طعام) کا پروگرام ہے، طبیعت نے ایصالِ ثواب کا کھانا گوارہ نہیں کیا؛ لہٰذا دعا کے بعد احقر اور میرے پھوپھی زاد بھائی مولوی علاء الدین اور مولوی سلمان مرحوم نے جامعہ کی مسجد میں جیسے ہی قدم رکھا، تو دیکھا کہ حضرت حکیم صاحب تشریف فرما ہیں، چھپنے کی کوشش بھی کی، مگر حضرت نے دیکھ ہی تو لیا، فوراً آواز دی، ہم حاضر ہوگئے، فرمایا سب بچے دعوت میں ہیں اور تم یہاں کیوں؟ حضرت نے مشفقانہ ڈانٹ لگائی، ہم خاموش رہے، پھر خود ہی فرمایا اچھا تمھارا دل نہیں کر رہا ہوگا، پھر فرمایا اب کیا کھاؤ گے؟ ہم پھر چپ رہے، پھر خاص جیب (کاندھے پر لٹکا ہوا تھیلا) سے پیسے دیتے ہوئے فرمایا جاؤ مغرب کے بعد ہوٹل پر جا کر کھالو، یہ ادنیٰ سی مثال ہے طلباء پر شفقت وعنایت کی، ورنہ تو فرماتے تم نے مدرسے کا قانون توڑا ہے؛ لہٰذا تمھارا مزید ایک ہفتے کا کھانا بند کر دیا جائے، مگر جود وسخا کے پیکر حضرت حکیم صاحب طلباء، اساتذہ اور علماء پر خرچ کرنے کے لیے بہانہ ڈھونڈتے رہتے تھے۔

حضرت حکیم صاحب کو حضرت حق جل مجدہ نے جود وسخا، علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور اصلاح وتصوف کا ایسا حامل بنایا تھا، جو ایک صاحبِ علم اور بلند پایہ مجدد کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا ہے، طبیعت میں نفاست ونظافت کا یہ عالم کہ انتہائی نفیس کپڑے زیب تن فرماتے،

ہلکا سا شک ہوا، فوراً کپڑے بدل ڈالتے، برابر سے اگر کتا نکل گیا، تو جا کر غسل فرماتے، دولت کدے سے چند قدم کے فاصلے پر (کھتا روڈ) کوڑا کرکٹ اور غلاظت جمع ہونے کی جگہ ہے، وہاں نجس العین جانور اپنی غذا کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، حضرت حکیم صاحب کبھی وہاں سے نہیں گزرے "ان اللہ نظیف یحب النظافة" کا مصداق بن کر ہمیشہ زندگی گزاری، مگر اس حالت میں بھی سادگی کا دامن چھوڑ کر روایتی شان وشوکت کو کبھی اختیار نہیں کیا، اہلِ ثروت گاڑی کی پیش کش کرتے، مگر حضرت نے ہمیشہ اپنے لیے رکشہ ہی پسند فرمایا:

بھلا سکے نہ زمانہ وہ یادگار رہوں میں
بہارِ عہدِ گزشتہ کا راز دار ہوں میں

آپ کی گفتگو میں ہمیشہ سادگی، حلاوت وسلاست اور اپنا پن نظر آتا، ہر چھوٹا بڑا جو بھی دیکھتا، وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا، اسی وجہ سے آپ کے چاہنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی فہرست انتہائی طویل ہے، استعداد آپ کی قابلِ رشک، علم اور حافظہ انتہائی قوی، مختلف علوم وفنون میں مہارت، مگر فارسی سے دوستی، گلستاں بوستاں کا جب درس دیتے، تو لگتا جیسے شیخ سعدیؒ براہِ راست گفتگو فرمارہے ہیں، خانقاہ میں مریدین، متوسلین اور مستفیدین کا جم غفیر ہوتا، پند ونصائح فرماتے، تو انتہائی سچی تلی بات ہوتی، جو حاضرین کی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے معین و مددگار ہوتی، قلم اٹھاتے، تو کتاب منظرِ عام پر آجاتی؛ لہٰذا آپ کے قلم سے متعدد تالیفات نکلی ہیں، عورتوں اور مردوں کی اجتماعی نماز سے متعلق جو مختلف فیہ مسئلہ عرصۂ دراز سے چلا آرہا ہے، حضرت حکیم صاحب نے اس موضوع پر ایسی زبردست اور معرکہ آراء کتاب "منع الصالحات عن حضور الجماعات" لکھی کہ مخالفین انگشت بدنداں رہ گئے، اس کے علاوہ آپ کی کتاب درس بخاری، درس مسلم وغیرہ اور آپ

کی اصلاحی مجالس تذکیرالاسلام کے نام سے علمی حلقوں میں کافی مقبولیت اور پذیرائی حاصل کرچکی ہیں:

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شانِ رہبری تیری
ہزار رحمتیں ہوں اے میرِ کارواں تجھ پر

طبابت کو کبھی پیشہ اور حاصلِ پیسہ نہیں؛ بلکہ خدمتِ خلق کا ذریعہ سمجھا، اس وجہ سے حضرت حکیم صاحب کی دوا ہمیشہ مؤثر ہوتی اور نصف سے زائد لوگوں کو مفت میں دوائی دیتے تھے، ضرورت ہوتی، تو طالب علم کو پرہیز کا کھانا کھانے کے لیے پیسہ بھی عنایت فرماتے، حضرت حکیم صاحب کی حیات وخدمات اور کارناموں کا مکمل احاطہ مجھ جیسے طالب علم کے لیے کارِدشوار ہی نہیں؛ بلکہ امرِ محال ہے۔

مگر ان کا کچھ مبارک تذکرہ اپنے قلم کے ذریعے سے قرطاس کے حوالے کرنے کو سعادتِ دارین تصور کرکے مختصر الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کررہا ہوں۔

مذہب اسلام میں شخصیت پرستی کا تصور نہیں اور نا ہی گنجایش، مگر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ یقیناً نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ بھی ہے اور حدیثِ رسولؐ (اذکروا موتاکم بالخیر) پر عمل بھی، حضرت حکیم صاحب کی حیات وخدمات پر ایک یادگار مجلّہ شائع ہونا حضرت کے کارناموں کے اعتراف کی ادنیٰ کوشش تو ہوسکتی ہے، مگر مکمل خراجِ عقیدت نہیں، حضرت کی حقیقی وراثت، جو جامعہ نورالاسلام اور کئی تالیفات، دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے تقریباً سو خلفاء اور بے شمار تلامذہ، جو دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں، یقیناً یہی حضرت کے لیے سچی خراجِ عقیدت اور باعثِ نجات ہے۔

ماشاء اللہ حضرت حکیم صاحب کے نواسۂ محترم مولانا مفتی سید احمد صاحب اور جملہ اساتذۂ جامعہ جس حسن وخوبی کے ساتھ جامعہ کا انتظام وانصرام چلا رہے ہیں یہ بھی

حضرت کی روح کی تسکین کا ذریعہ ہے، بہرحال نمونۂ سلف، عاشقِ رسولؐ وصحابہؓ وعلماء وصلحاء کے منظورِ نظر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خلیفۂ خاص اور بے شمار خلفاء کے مرشد، استاذ الاساتذہ، عارف باللہ حضرت الحاج مولانا حکیم محمد اسلام انصاری تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ کو ہم سب متعلقین اور تلامذہ کو داغِ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے آسودۂ خواب ہوگئے:

کارواں سے کیسے کیسے لوگ رخصت ہو گئے
کچھ فرشتے چل رہے تھے جیسے انسانوں کے ساتھ

☆☆☆

﴿آسمان ھدایت کا درخشندہ ستارہ﴾

(مولانا محمد عمر مظاھری)

نگراں جامعہ عائشہ للبنات، فتح اللہ پور روڈ میرٹھ شہر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

یہ ناکارہ حقیر سراپا تقصیر ایک بلند پایہ انسان، استاذ الاساتذہ اور شیخِ طریقت کے حالاتِ زندگی بیان کرے، یہ اس کے لیے فخر وشرف کی بات ہے، مگر انتہائی مشکل اور صبر آزما بھی، حضرت حکیم صاحب اپنے جملہ اوصاف خواہ درس وتدریس ہو یا انتظام واہتمام ہو، شریعت وطریقت ہو یا تواضع وانکساری اور جفاکشی یا خلوص وللّٰہیت ہو، اپنے معاصرین میں منفرد نظر آتے ہیں۔

بندہ کے درسِ نظامی کا آغاز حضرت حکیم صاحب کی نگرانی اور سایۂ عاطفت میں ہوا، غالباً سالِ دوم میں حضرت کے یہاں گلستانِ سعدی کا گھنٹہ تھا، حضرت گلستاں کی مشکل عبارات ومضامین کو انتہائی سہل انداز میں حل فرماتے، بارہا دیکھا گیا حضرت حکیم صاحب نہ صرف گلستاں کے اشعار زبانی سناتے؛ بلکہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی کے اشعار بھی فی البدیہہ سناتے چلے جاتے۔

تعلیم کے ابتدائی سالوں میں حضرت والا کا دورِ اہتمام بھی دیکھنے کا موقع ملا، جس کی مثال دورِ حاضر میں تو دیکھنے میں کم ہی ملتی ہے، جامعہ کے جملہ اصول پر کاربند رہتے ہوئے اساتذہ کے ساتھ بیحد نرم مزاجی وغم خواری اور ملازمین سے لطف ومہربانی اور طلبہ کے ساتھ پدرانہ شفقت ومحبت کا ہمہ وقت معاملہ تھا، بفضلہٖ تعالیٰ احقر نے مظاہر علوم سے

فراغت کے بعد سرزمین میرٹھ ہی سے درس و تدریس کا آغاز کیا، تقریباً پچیس سال کے طویل عرصے میں حضرت والا کو تین پہیوں والے رکشے کے علاوہ فور وہیلر گاڑی میں کبھی نہیں دیکھا، عام ملاقات ہو یا فراہمیِ سرمایہ کا سفر اسلام آباد جیسے طویل و عریض محلے میں دوپہر کی سخت چمچماتی ہوئی دھوپ میں، جب کہ ہر شخص سایے کی تلاش میں رہتا ہے، حضرت ہیں کہ گھر گھر محلّہ محلّہ اور گلی گلی مدرسہ کے مالیات کی فراہمی میں ہمہ تن مشغول ہیں، کچھ خدام حضرت والا کے گرد حلقہ بنائے ہوئے چل رہے ہیں، حضرت والا کے اس مخلصانہ کردار و عمل اور سعیِ پیہم ہی نے نورالاسلام کو ایک جامعہ کی شکل سے نوازا۔

بیعت و سلوک:

یقیناً آپ اس شعبے میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، آپ نے جامعہ نورالاسلام میں خانقاہِ طیب قائم کر کے سلوک و تصوف اور شریعت و طریقت کی بجھتی ہوئی شمع کو روشن کیا، آپ کی مجالس میں اسلام سے عاری اور راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے انسان آتے اور آپ انھیں کلمہ پڑھا کر اسلام میں داخل فرماتے، اکثر آپ کی مجالس میں شہر کے عام لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے دانش ور، سیاست داں اور لیڈران حاضر ہوتے اور وہ مسائل، جو ان کے یہاں انتہائی پیچیدہ اور الجھے ہوئے ہوتے، حضرت والا کے سامنے پیش فرماتے، حضرت والا انھیں چٹکیوں میں ایسا حل فرما دیتے کہ بڑے بڑے دانا و بینا حضرات بھی دنگ اور حیران رہ جاتے اور حضرت کی رائے اور مشورے کو حرفِ آخر سمجھتے، اس کے علاوہ جلوت و خلوت میں عامۃ المسلمین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا، حضرت والا ہر ایک کو تسلی بخش جواب عنایت فرما کر ان کی اصلاح و تزکیۂ قلوب ایسے سہل انداز میں فرماتے کہ مریدین و مستفیدین چند ملاقاتوں میں ہی اپنے قلوب میں جلا محسوس کرنے لگتے؛ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کے مجازین بالبیعت اور مریدین کا سلسلہ نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ بلادِ عرب

تک پھیلا ہوا ہے، بہر حال حضرت رحمہ اللہ درس وتدریس ہو یا انتظام واہتمام ہو یا بیعت و سلوک ہر میدان کے شہ سوار تھے۔

رب کائنات کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ حضرت والا کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے اور آپ کے اخلاف کو آپ کے چھیڑے ہوئے مشن کو مزید ترقیات پر گامزن کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

﴿میرے بزرگ و مربی﴾

(الحاج محمد اسعد صدیقی)

ناظم کتب خانہ دارالعلوم وقف دیوبند

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ عمر کی اس منزل میں جب میں بہت چھوٹا تھا ایسی فرشتہ صفت شخصیت سے قربت میسر ہوئی کہ جس نے اپنے کردار و عمل، علم و فضل، تقویٰ وللّٰہیت، خشیت وانابت، تحمل و بردباری، اخلاص ومحبت کے ایسے نقوش ثبت کئے کہ اکابر واسلاف کی یادیں تازہ ہوگئیں اور بزرگوں کی زندگی کا کونسا ایسا قابل ذکر اور قابلِ بیان پہلو ہے جو آپ کی ذات کا حصہ نہ بنا ہو بالیقین وہ دورِ آخر کے وہ بلند مرتبہ انسان تھے جس کے بعد بلندی کے اس معیار کو کوئی دوسرا پا نہیں سکا، جن امتیازات، کمالات اور انفرادیت سے اللہ رب العزت نے آپؒ کی ذات میں چار چاند لگائے تھے وہ پھر کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت کرنے کا تقریباً ۲۰ رسال مجھے موقع ملا حضر میں سفر میں لمبے وقت ان کے قریب رہا اور میں یہ بات پورے تیقن اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اتنا بلند مرتبہ اور بلند انسان کسی دوسرے کو نہیں پایا حضرتؒ کے ساتھ بے شمار سفر کئے اندرونِ ملک، ہر مرکزی شہر، ہر معروف علاقے، اور گاؤں دیہات میں بھی دینی اجتماعات اور تبلیغی پروگراموں میں شرکت رہی کئی کئی ہفتے حضرتؒ دیوبند سے باہر رہتے اور میں بھی حضرت کے ساتھ سفر میں رہتا ان اسفار میں ہندوستان کے ہر نامور انسان، متمول آدمی، بلند مرتبہ شخصیت اور صاحب بیعت وارشاد ہستی سے ملنے کے اتنے مواقع ملے کہ اب تو وقت گزرنے کے ساتھ لاتعداد

نام ذہن سے نکل بھی گئے ہیں، اور کافی ان میں ایسے ہیں جو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ بلند لوگ یہ اونچے درجہ کے انسان بڑی عقیدت، بڑے احترام ، بڑے جذبے کے ساتھ حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے انہی زمانہ ساز شخصیتوں میں حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ بھی تھے جن کے یہاں متعدد بار حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کے خدمت گزار کی حیثیت سے حاضری ہوئی۔ ان سے اتنی بار ملنا ہوا اور ان کے درِ دولت پر اتنی بار جانا ہوا کہ اب شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ حکیم صاحبؒ کا روحانی تعلق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے تھا اور آپؒ نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی۔ حکیم صاحب حضرت حکیم الاسلامؒ سے ایسا تعلق رکھتے تھے جو کسی سچے شیدائی اور کسی عاشق ہی کا ہو سکتا ہے۔ حکیم الاسلامؒ پہنچتے تو حکیم صاحب بچھے چلے جاتے حضرت کے ساتھ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ گفتگو کرتے، گردن جھکی ہوئی، بالکل ایک طالب علم اور ایک سچے مرید کی طرح اپنی بات رکھتے اور حضرت سے مختلف کاموں اور امور کے سلسلے میں رہنمائی پاتے۔

حضرت حکیم الاسلام نے اس دنیا سے پردہ کیا تو مجھے رئیس الاہتمام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ کے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت کے ساتھ بھی ان گنت سفر رہے اور اسی ذیل میں میرٹھ جانا بھی لازمی تھا۔ پھر یہ ساتھ متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی مدظلہ تک جاری ہے۔ حکیم اسلام صاحب نے اس زمانہ سے لے کر دمِ واپسی تک اس چھوٹے اور ناکارہ آدمی کو جن محبتوں سے سرشار کیا اسے میں اپنی خوش قسمتی تصور کرتا ہوں۔ ان کی عنایتوں اور محبتوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اور کبھی انھوں نے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ان کا چھوٹا ہوں، حکیم صاحبؒ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی اس طرح سے پیش آتے تھے کہ یہ خیال ہی نہیں

آتا تھا وہ اتنے بڑے انسان ہیں مگر ان کا یہی معاملہ بڑا انسان بتانے کے لیے کافی ہے۔ تعلق گہرا اور گہرا ہوتا چلا گیا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ایک ایسا اعتماد بھی پیدا ہو گیا جس میں کبھی کبھی میں ان سے اپنے مسائل اور معاملات میں مشورہ کرتا تو حکیم صاحب بڑی دلچسپی، سنجیدگی اور اپنائیت کے ساتھ مشورہ دیتے جب حکیم صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے نام پر اور ان کی یاد میں خانقاہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اور خانقاہ تعمیر بھی ہوگئی تو اس کی تاریخ تعمیر کے لیے حضرت حکیم صاحبؒ نے مجھے حکم فرمایا احقر کو کافی سال سے مادہ ہائے تاریخ نکالنے کی دھن رہی اور کافی کوششوں اور محنتوں کے بعد اس میدان میں درک تو نہیں لیکن کسی حد تک کامیابی ضرور حاصل کر لی۔ شاید یہی خیال فرما کر حضرت حکیم صاحبؒ نے اس کام کو کرنے کی ہدایت فرمائی اور میرے لیے یہ انتہائی خوشی کا امر ہے اور اسے میں ذکر بھی اسی بنیاد پر کر رہا ہوں کہ حکیم صاحبؒ کے حکم کی تعمیل ہوئی جہاں ان کے تعلق کا سلسلہ دراز ہوا وہیں خاندانِ قاسمی کے اس ممتاز ترین فرد کی یادگار میں قائم ہونے والی اس خانقاہ سے میرا نام بھی جڑ گیا۔ حکیم صاحبؒ نے میری کوشش کو بہت سراہا اور بڑی تعریف کی اور پھر خانقاہ کی دیوار پر ایک بڑے پتھر پر ان تمام تاریخوں کو جو مختلف عبارتوں کے ساتھ میں نے نکالی تھیں کندہ کرایا جب بھی مجھے وہاں حاضری کا موقع ملتا ہے تو حکیم صاحبؒ کے تعلق، محبت کو یاد کر کے بے اختیار آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور وہ تمام یادیں جو ۳۵/ سالوں پر محیط ہیں سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہیں یہ یادیں ہی میرا سرمایہ ہیں جو حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ سے شروع ہوتی ہیں اور ہزاروں انسانوں سے گزر کر حکیم محمد اسلام صاحبؒ تک پہنچتی ہیں۔ انہی یادوں نے یہ چند سطور لکھنے کا حوصلہ اور قوت بخشی ورنہ میں بھی جانتا ہوں اور دنیا بھی جانتی ہے کہ ''میں کیا ہوں'' لکھنا میرا میدان نہیں ایک ٹوٹی پھوٹی اور بے ربط تحریر شاید میرے جذبات کی کچھ ترجمانی کر سکے۔

﴿میرے کرم فرما﴾

(حافظ عبدالوھاب بذّھو والے ابو ظھبی)

ذریت آدم علیہ السلام میں بے انتہا محامد ومحاسن، کمالات ظاہر و باطن، اوصاف حمیدہ، اخلاق کریمانہ، صفات روحانیہ، انوار ربانیہ، برکات الٰہیہ علم وعرفان کا منبع و ماوٰی، سر چشمۂ رشد و ہدایت سید الکونین تاجدار دو جہاں خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے یعنی کل عالم کے تمام انسانوں کو جو صفات وکمالات انفرادی طور پر عطاء کیئے گئے ہیں وہ تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب کمالات کی ضیاء پاشیاں ہیں۔

تمام حضرات انبیاء ورسل، صحابہ کرام، تابعین عظام، مجتہدین ومحدثین، مفسرین و متکلمین، اولیاء، اتقیاء، عشاق و عارفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے لائے ہوئے دین کے خدام ہیں۔

انہیں خداموں میں شیخ طریقت فقیہ العصر عارف باللہ مشفقی ومربی حضرت اقدس الحاج مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہیں دیکھ کر بایزید بسطامی کی یاد تازہ ہو جاتی تھی جنکے سایۂ عاطفت میں رہ کر بے قرار دلوں کو سکون وقرار آجاتا تھا جن کے تبسم سے قلب جلا پاتے تھے۔ جن کے پاس آکر کے تمام پیچیدہ مسائل لمحوں میں حل ہو جاتے تھے راقم الحروف کا بارہا کا تجربہ ہے جب بھی مجھے کوئی مشکل یا پریشانی ایسی پیش آئی جسکے بظاہر حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی میں فوراً حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور آپ ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ متوجہ ہوتے اور وہ مشکل فوراً کافور ہو جاتی۔ آپ ہمیشہ خوردوں پر کرم نوازیاں فرماتے اور علماء سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ تواضع

اورانکساری آپکا طرۂ امتیاز تھا۔آپ درویش صفت انسان تھے کبھی آپ کی ذات سے کسی کو آزار نہیں پہونچا ہمیشہ آپ دوسروں کی دادرسی میں مگن نظر آتے۔مخلوق خدا کے ایک بڑے حصہ نے آپ کے ذریعہ سے رشد وفلاح پائی آپ کی ذات طبیب روحانی وجسمانی کا حسین سنگم تھی۔آپ نے اشاعت دین کیلئے ایک مدرسہ کی بناء ڈالی جو آپ ہی کی حیات میں مرکزی حیثیت کی شکل میں تبدیل ہوگئی آج عوام وخواص اسکو جامعہ نورالاسلام سے جانتے ہیں۔

تزکیۂ نفس کیلئے بھی ایک خانقاہ ''بنام طیب'' قائم فرمائی جس سے بیشمار راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں نے راہ نجات پائی۔آپ علوم ومعارف کا گنجینہ اور حکم واسرار کا سرچشمہ تھے۔

ایسی ہمہ جہت صفات کی حامل شخصیت اس دور انحطاط میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔

آپ کی ذات کا سایہ ہم حرماں نصیبوں کیلئے ایک عظیم ترین نعمت تھی لیکن افسوس صدافسوس قانون خداوندی ''کلّ نفس ذائقة الموت'' کے بموجب آپکا سانحہ ارتحال بتاریخ یکم دسمبر ۲۰۱۲ء بروز شنبہ علی الصباح داغ مفارقت دے گیا اور ہم جیسوں کو روتا اور بلکتا ہوا چھوڑ کر آپ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

اللہ رب العزت آپ کو غریق رحمت فرما کر وسط جنت کو آپکا ٹھکانہ بنائے اور پسماندگان کو آپ کا نعم البدل اور صبر جمیل عنایت فرمائے۔(آمین)

☆☆☆

میرے محسن ومشفق

(الحاج محسن اختر سُجناوالے)

اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ توفیق اور صلاحیت سے کچھ لوگ جگنو بن کر ابھرے، کچھ لوگ چراغ بن کر جلے، کچھ ستاروں کے مانند چمکے اور کچھ لوگوں نے آفتاب و ماہتاب بن کر جہالت و گمراہی کے اندھیروں کا مقابلہ کیا۔ علم و معرفت کی ایک کرن جو میانجی نور محمد جھنجھانوی علیہ الرحمہ کے توسط سے سرزمین جھنجھانہ میں نمودار ہوئی تھی وہ دیوبند، رائے پور، گنگوہ، سہارنپور، تھانہ بھون، جلال آباد سے گزرتی ہوئی چہار دانگ عالم میں پھیل گئی، جس سے باطل اندھیرا ختم ہوتا چلا گیا اور اس کرن کے متوالوں کا قافلہ مقدس جماعت کی شکل میں اپنی اس منزل کی طرف بڑھتا چلا گیا جو مقامِ رضا کہلاتی ہے اور اس مقام پر پہنچ کر بندے کو رضاءِ الٰہی کی سند دے دی جاتی ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے عارف باللہ شیخ المشائخ مرشد و مربی حضرت اقدس الحاج مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری علیہ الرحمہ جو سرزمین میرٹھ سے ایک سورج بن کر ابھرے اور جن کی کرنوں سے صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ پورا عالم منور ہو گیا۔

حضرت والا ان بزرگوں میں شامل تھے جنہوں نے خود کو جلا کر زمانہ کو روشنی بخشی، خود بے آرامی کی زندگی گزار کر اللہ کے بندوں کو راحتیں تقسیم کیں، خود تڑپتے رہے لیکن انسانیت کو سکون فراہم کیا۔ احقر ایک لمبے عرصہ سے آنجناب والا سے منسلک رہا۔ آپ کے ساتھ دیوبند، سہارنپور، رائے پور، جلال آباد، تھانہ بھون کے اسفار ہوئے۔ ایک مرتبہ سفر حج میں بھی معیت کی سعادت میسر آئی۔ آپ پر تصوف کا رنگ دیکھا۔ اکثر آپ فرماتے تھے کہ بزرگوں کی مصاحبت، ذکر الٰہی کی کثرت، گناہوں سے مکمل اجتناب، اسباب گناہ

سے بے زاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر استقامت سے انسان ولی کامل بن جاتا ہے۔

آپ کی سب سے زیادہ مقبول ہونے والی ادا آپ کا دائمی تبسم تھی۔ ہر کس و ناکس خورد و کلاں سے مسکرا کر کلام فرماتے، نہ جانے اس تبسم میں کیا کشش ہوتی کہ پہلی ہی ملاقات میں بندہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

احقر بھی پہلی ہی ملاقات سے آپ کا شیدائی ہو گیا تھا اور آپ کے بتلائے ہوئے راستہ پر ہی چلتا تھا کتنی ہی بڑی مشکل پیش آجاتی حضرت اس کا حل بتا دیتے اور کبھی فرماتے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس وہ مشکل ختم ہو جاتی۔ حضرت بھی احقر سے بڑی شفقت فرماتے اور تا زندگی آپ کا یہ معمول رہا، ہفتہ میں ایک بار ضرور غریب خانہ پر قدم رنجہ ہوتے اور خوب خوب دعائیں دیتے۔ حضرت جب تک تشریف فرما رہتے ذکر و اذکار میں مصروف نظر آتے، اگر گفتگو فرماتے تو دنیا کی بے رغبتی اور بے ثباتی کا رنگ غالب رہتا، ہمیشہ فکر آخرت کا پہلو غالب رہتا۔

حضرت اقدس حکیم صاحب علیہ الرحمہ شریعت و طریقت کے سچے سالک اور رہنما تھے۔ اللہ اور رسول کی محبت میں فنا تھے۔ غیر اللہ کا تعلق اور غیر اللہ کی محبت انہیں گوارہ نہ تھی۔ وہ جہاں ہوتے محبت الٰہی کی ندا دیتے ہر فنا پذیر اور زوال آمادہ شے کی محبت سے بیزاری کا سبق پڑھاتے اور خداوند تعالیٰ کی دائمی محبت کی تلقین فرماتے۔ آپ کی تقریروں، وعظوں، تحریروں میں یہ سب باتیں موجود ہیں، رہتی دنیا تک لوگ اس سے فیض اٹھاتے رہیں گے۔ آج حضرت ہمارے درمیان نہیں ہیں آپ کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دست بدعا ہوں کہ حضرت والا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

مکتوب

حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اسلام صاحبؒ مہتمم جامعہ نورالاسلام کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی، اس روح فرسا خبر نے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، چاروں طرف رنج وغم کا ماحول بن گیا کیونکہ مولانا کی موت موت العالِم موت العالَم کا حقیقی مصداق ہے، مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ ملت کے مسائل کے لیے وقف کر دیا تھا، ہمیشہ حضرت علیہ الرحمہ نے کمزور لوگوں کی رہنمائی کی، معاشرہ میں علم کی اہمیت پر جدوجہد کی، آپ نے اپنے دور اہتمام میں جامعہ نورالاسلام کو ایک معیاری ادارہ اور گنجینۂ معرفت وحکمت بنانے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے، اور بھی ایسی بہت سی خدمات ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جامعہ میں حضرت والاؒ کے انتقال پر حضرت الحاج فضل الرحمٰن صاحب کی زیر صدارت ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں حضرت والاؒ کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی، اور حضرت مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی، باری تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے، آمین۔

فضل الرحمٰن

جامعہ ستاریہ فیض الرحیم نانکہ سہارنپور

☆☆☆

﴿مکتوب برعطائے خلافت﴾

معدنِ علوم ومصدرِ فیوض، مرشد ومربی حضرت مہتمم صاحب ادام اللہ فیوضکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں!

حضرت والا نے محض اپنی شفقت وعنایت سے جو اجازت مرحمت فرمائی ہے، اس کو میں اپنے لیے نعمتِ کبریٰ اور شہادتِ مقبولہ سمجھتا ہوں اور حضرت والا کے قلبِ منور میں اس امر کا القا اور الہام اپنے لیے رحمتِ واسعہ اور سعادتِ عظیمہ خیال کرتا ہوں:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فطری صلاحیت مخفی ہوتی ہے اور کسب ونظر سے ابھر کر سامنے آتی ہے، اپنے اندر کسب تو ہے ہی نہیں، حضرت والا کی نظرِ عنایت سے اگر کسی کی مخفی صلاحیت اجاگر ہوجائے، تو یہ اس کے لیے بہت بڑی خوش نصیبی اور نیک بختی ہے؛ کیوں کہ:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں

یہ حضرت والا کی کرم فرمائی ہے کہ ایک عرصے سے حضرت والا کی تربیت حاصل رہی ہے اور حضرت کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہا ہے اور حق تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ سے کسبِ فیض کا ہمیشہ ہمیشہ موقع ملتا رہے گا، احقر نے بار بار دیکھا کہ مجلس میں آنے والا شخص فیوض وبرکات لے کر جاتا ہے اور اپنے آپ کو معطر اور منور محسوس کرنے لگتا ہے اور سراپا شیخ سعدی کے اس قصیدہ کا مصداق ہوجاتا ہے:

گلے خوشبو درحمام روزے
رسید ازدست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ ازبوے دل آویزِ تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

آخر میں حضرت والا سے درخواست ہے کہ خصوصی توجہ کے ساتھ قدم قدم پر رہنمائی فرماتے رہیں گے؛ تاکہ اس راہ کی زلات سے حفاظت رہے، اللہ تعالیٰ آپ کے سایۂ عاطفت کو ہم لوگوں کے سروں پر ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے۔

آپ کا خادم
(نسیم احمد مظاہری)
خادم تدریس جامعہ عربیہ نورالاسلام
شاہ پیر گیٹ میرٹھ

☆☆☆

﴿فخر ایشیاء﴾

(محمد عمر قمر کھجوروی)

آہ فخرِ ایشیا جاتا رہا
وہ امام الاتقیاء جاتا رہا

اب کہاں سے لائیں فیضِ عام کو
رو رہے ہیں سب مل کے حکیم اسلام کو

علم کو پرکھا بہت نزدیک سے
زیست کو دیکھا بہت نزدیک سے

جو بزرگوں سے وراثت میں ملا
دین حق پر سب نچھاور کردیا

لے گئے شاگرد کو سوے ارم
اللہ اللہ استاذ کے نقشِ قدم

اے قمر وہ نامِ نامی کیا کہوں؟
آپ کی ذاتِ گرامی کیا کہوں؟

پرتو اختر نے بخشی وہ ضیا
شاگرد کو استاذ گویا کردیا

در حقیقت آج تک ہے بے مثال
اللہ اللہ آپ کا علمی کمال

ہیں حکیم اسلام وہ چشم و چراغ
روحِ اختر ہو رہی ہے باغ باغ

متقی کہتا ہے جن کو یہ جہاں
ہیں سید باصفا ان کے نشاں

آپ کے اوصاف گننا ہے محال
بالیقیں تھے آپ مردِ باکمال

نذر کرتا ہوں اسی امید پر
چند لفظوں کا یہ تحفہ اے قمر

آرام سے سوتا رہوں یوں قبر میں
قربِ حضرت ہو میسر حشر میں

☆☆☆

﴿علم و عمل کا سمندر﴾

(مولانا علاؤالدین نوری)
مہتمم مدرسہ الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم
مسیح اللہ گنگوہ روڈ، قصبہ جلال آباد ضلع شاملی

علم و عمل کا ایک سمندر حکیم تھے
ہر لمحہ ذکرِ رب سے معطر حکیم تھے

اہلِ نظر کی فکرِ قلندر حکیم تھے
بہلول شاہ تھے یا سکندر حکیم تھے

ابدال قطب کہوں یا کہوں وقت کا ولی
وہ سایہ دار پیڑ کے مثل حلیم تھے

برسوں پڑا رہا ہو جو ظلمت کدہ میں دل
اس دل میں نور بھر دے وہ ایسے کلیم تھے

مجلس کا ان کی لوگو تمھیں کیا بتاؤں حال
رب کے علاوہ دل میں نہ آتا تھا کچھ خیال

ایماں کی دولتوں سے وہ کرتے تھے مالا مال
بگڑی ہوئی حیات کو کرتے تھے باکمال

میدانِ اصفیا میں تھے دنیا میں بے مثال
صدیوں نہ بھول پائیں گے ملت کو ہے ملال

روشن سبھی کو کرتا تھا میرٹھ کا یہ ہلال
اِس گلستاں پہ لوگوں وہ بادِ نسیم تھے

دنیا کی خواہشوں کو پسِ پشت ڈال کر
خود کو رسولِ پاک کی سیرت میں ڈھال کر

کشتیٔ عشق لے گئے ایسے نکال کر
اس دورِ پرفتن میں بھی اے میرے دوستو

ایماں کی شمع رکھی ہے جس نے سنبھال کر
سارے جہاں کی دولتیں قدموں میں تھی مگر

یوں سادگی سے کرگئے وہ زندگی بسر
عمرِ دراز تک کیا رکشے میں بس سفر

طیب کے گلستاں کا تھانورانی وہ شجر
ملتے تھے دنیا والوں کو جس سے سدا ثمر

خاموش گلیاں اور ہے سونی سی ہر ڈگر
ان کے بغیر سونا ہے سارا ہی یہ نگر

اب تم کہاں سے لاؤگے ایسا کوئی بشر
صدیوں میں جو جنم لے وہ ایسے تھے راہ بر

جس نے کیا حیات میں ایمان پر سفر
جانے سے اُس کے ہوگئی آنکھیں بھی تر بتر

لوٹے گا اب نہ وقت وہ جو ہے گیا گزر
روتا رہے گا یاد میں تو ان کی عمر بھر

اب مدرسہ کے لوگ بھی ڈھونڈھیں ادھر ادھر
تکلیف دہ ہے پھٹنے کو جیسے ہو اب جگر

میرے چمن کا چھُپ گیا جانے کہاں قمر
روتے ہیں سبھی یاد میں دیوار اور در

خلدِ بریں میں دینا تو اعلیٰ سا ان کو گھر
شاہی کی یہ دعا ہے تو مولیٰ قبول کر

☆☆☆

﴿منظوم تعزیتی نامہ﴾

(نتیجۂ فکر نصیر احمد ناصرؔ صدیقی)

صدر مدرس مدرسہ رشیدیہ تعلیم الاسلام، مقبرہ ابّو، میرٹھ

بزم طیّب کا یقیناً وہ دیا جاتا رہا۔
شہر میرٹھ میں جو تھا دینی ضیاء جاتا رہا۔

کہہ رہے ہیں آج سب کے سب محبّانِ چمن۔
علم وحکمت کی وہ پاکیزہ ہوا جاتا رہا۔

سینچ کر میخانۂ علم وعمل کی کِشت کو۔
چھوڑ کر دارِ فنا دارُالبقا جاتا رہا۔

سوگوارانِ چمن میں شور برپا ہو گیا ۔
شاہ اخترؒ کی مکمّل وہ دعا جاتا رہا۔

دے کے ہم کو جامعہ نورالاسلام کا گُہر۔
علم و دانش کی مسلسل اک صدا جاتا رہا۔

کہہ رہے ہیں آج روحانی وجسمانی مریض۔
واقعی تیرِ ہدف دارُلشفا جاتا رہا۔

آہ! ہم لوگوں کو تنہائی کا گوشہ سونپ کر۔
ایک مردِ حق پرست وباصفا جاتا رہا۔

جام الفت کا پلا کر بزم کو عُشّاق کی۔
میکدے عرفانیت کا دلربا جاتا رہا۔

دخترانِ حضرتِ اسلام بحرِ غم میں ہیں۔
جن کی کشتی کا جہاں سے نا خدا جاتا رہا۔
نامور ہوکر بھی گمنامی جسے مرغوب تھی۔
بزمِ اہل حق سے ایسا با صفا جاتا رہا۔
شہر کے سارے مکاتب اور مدارس کیلئے۔
سر پرستی سر بلندی کی دعا جاتا رہا۔
پیکرے اخلاص بھی تھا پیکرے اخلاق بھی۔
آج ایسا دامنِ صبر و رضا جاتا رہا۔
سیکڑوں مردانِ حق بیچین ہوکر کہہ اُٹھے۔
اس چمن سے آج مردِ با خدا جاتا رہا۔
جب بھی دیکھا ایک تھیلے میں مدرسہ دربغل۔
شور برپا ہے آمینِ با وفا جاتا رہا۔
جس کی خوشبو سے معطر تھی چمن کی ہر کلی۔
وہ ریاض علم وحکمت کی دوا جاتا رہا۔
سادگی وانکساری جس کا وصفِ خاص تھا۔
وہ اکابر کی نگاہوں کی ادا جاتا رہا۔
سوگواروں کا جنازے میں تھا اک جمِ غفیر۔
آج کچھ ٹوٹے دلوں کا مدّعا جاتا رہا۔
بس اُسی رکشے کے آگے کار بھی بیکار تھی۔
وہ غلامِ شاہِ دیںؐ بن کر جاتا رہا۔

سارے علما کی زباں پر بس یہی الفاظ تھے۔

ملک و ملت کا یقیناً رہنما جاتا رہا۔

اس طرح مولانا اسلمؔ بھی نصیحت کر گئے۔

درحقیقت آج مردِ با خدا جاتا رہا۔

شور ہے سارے اسیرانِ محبت میں یہی۔

آج محفل سے ہماری خوش ادا جاتا رہا۔

سید احمدؔ کو بنا کر جانشین جامعہ۔

چھوڑ کر اسلامؔ اک دار الہدیٰ جاتا رہا۔

موت کی آندھی چلیگی یونہی سب اُڑ جائیں گے۔

جس طرح سے آج حکمت کی فضا جاتا رہا۔

رحلتِ حاذق یقیناً ہے وہ نقصانِ عظیم۔

کچھ نہ پوچھو آج ہم لوگوں کا کیا جاتا رہا۔

بس کرا اے ناصرؔ یہ آنکھیں اور تر ہو جائیں گی۔

سچ کہا تو نے شہر سے با حیا جاتا رہا۔

☆☆☆

﴿شجرۂ اسلامیہ چشتیہ﴾

حکیم الملّت عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ارشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کے واسطے

اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے

اور سب اصحاب و آلِ مصطفیٰ کے واسطے

رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے

صاحب تقویٰ تصوف بے ریا کے واسطے

باخدا اسلام شاہ با صفا کے واسطے

حضرتِ طیبؒ شہِ علم و ہدیٰ کے واسطے

حضرتِ محمودؒ و اشرف ذوالعلاء کے واسطے

حاجی امداداللہؒ ذوالعطاء کے واسطے

حضرتِ نورِ محمدؒ پُر ضیاء کے واسطے

حاجی عبدالرحیمؒ اہل غزا کے واسطے

شیخ عبدالباریؒ شہ بے ریا کے واسطے

شاہ عبدالہادی پیرِ ہدیٰ کے واسطے

شاہ عضدالدینؒ عزیزِ دوسرا کے واسطے

شہ محمدؒ اور محمدی اتقیاء کے واسطے
شہ محبّؒ اللہ شیخ باصفا کے واسطے

بوسعیدؒ اسعد اہل ورا کے واسطے
شہ نظام الدینؒ بلخی مقتدا کے واسطے

شہ جلال الدینؒ جلیل اصفیاء کے واسطے
عبد قدوسؒ شہِ قدس وصفا کے واسطے

اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفؒ صاحب عطا کے واسطے

احمد عبدالحقؒ شہِ ملک ِ بقا کے واسطے
شہ جلال الدینؒ کبیرالاولیاء کے واسطے

شیخ شمس الدینؒ ترک باصفا کے واسطے
شیخ علاؤالدینؒ صابر بارضا کے واسطے

شہ فریدالدینؒ شکرگنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدینؒ مقتول ولا کے واسطے

شہ معین الدینؒ حبیبِ کبریا کے واسطے
خواجۂ عثمان با شرم و حیاء کے واسطے

شہ شریف ؒ زندنی اتقیاء کے واسطے
خواجۂ مودودؒ چشتی پارسا کے واسطے

شاہ بویوسفؒ شہ شاہ و گدا کے واسطے
بو محمدؒ محترم شاہِ ولاء کے واسطے

احمدؒ ابدال چشتی باسخا کے واسطے
شیخ ابو اسحٰقؒ شامی خوش ادا کے واسطے

خواجۂ ممشادؒ علوی بوالعلاء کے واسطے
بوہبیرہؒ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

شیخ حذیفہؒ مرعشی شاہِ صفا کے واسطے
شیخ ابراہیمؒ ادہم بادشاہ کے واسطے

شہ فضیلؒ ابن عیاض اہلِ دُعا کے واسطے
خواجہ عبدالواحدؒ بن زید شاہ کے واسطے

شیخ حسنؒ بصری امام الاولیاء کے واسطے
ہادیٔ عالم علیؓ شیرِ خدا کے واسطے

سرورِ عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

آخر کر شفاعت کا وسیلہ اِن کو تو
مجھ ذلیل وخوار مسکین و گدا کے واسطے

کر دوئی کو دور اور پُرنور وحدت سے مجھے
تاہوں سب میرے عمل خالص رضا کے واسطے

کر ذرا اس ہوش سے بے ہوش ومستانہ مجھے
باحق اپنے عاشقانہ باوفا کے واسطے

دیکھ مت میرا عمل کرلطف پر اپنی نگاہ
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کے واسطے

چار سو ہے فوجِ غم کر جلد اب مجھ پر کرم
کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

تیرے در کو چھوڑ کر تو ہی بتا جاؤں کہاں
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے

سجدۂ طاعت سہارا ساجدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب
دردِ دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

نعمتیں دنیا کی سب دیں تو نے اے پروردگار
بخش وہ نعمت کا جو کام آوے سدا کے واسطے

کوئی بھی تحفہ نہیں لائق ترے دربار کے
جان و دل لایا ہوں بس تجھ پر خدا کے واسطے

کر میری امداد اللہ وقت ہے امداد کا
اپنے لطف و رحمتِ بے انتہائی کے واسطے

جس نے یہ شجرہ دہا ہو، جس نے یہ شجرہ پڑھا
بخش دیجئے سب کو، اِن اہلِ صفا کے واسطے

☆☆☆

Jamia Arabia Noor-ul-Islam جامعہ عربیہ نور الاسلام

Shah Peer Gate, Meerut-250 002 (U.P.) India Tel.: 0121-533478 شاہ پیر گیٹ، شہر میرٹھ (یو پی) ہند

f. No.________ Date ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

نحمدہٗ ونصلی

گرامی خدمت عزیز مکرم جناب مفتی سید احمد صاحب قاسمی ولد سراج النبی سلّمہٗ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

عرصہ کا خیال اور بے ساختہ جذبہ ہے جسکا اظہار کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو فطری طور پر قلب کی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور بعض دفعہ فطری صلاحیت اکتسابی صلاحیت سے بڑھ جاتی ہے۔ سوالحمدللہ یہ صلاحیت عطیہ حق سے موجود ہے اسلئے مناسب ہے کہ آپ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی بہرہ ور فرمائیں۔ اور مخلوق کی دینی اور اخلاقی تربیت کی طرف توجہ فرمائیں۔ جو بھی طالب صادق آئے اسے توبہ کر ادیا کریں کبائر وصغائر سے توبہ۔ اور توحید ور سالت اور بنیادی عقائد کا اقرار لے لیا کریں۔ ہمارے مشائخ میں تسبیحات ثلثہ کلمۂ تمجید استغفار اور درود شریف کا معمول ہے اسکی ایک ایک تسبیح صبح وشام پڑھنے کی تلقین فرمادیا کریں تلاوتِ قرآن شریف حسب استطاعت کی تاکید فرمادیں۔ اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی بتلادیا کریں۔

حسب ذوق وشوق شجرہ پڑھنے کو بھی فرمادیں۔ جو پڑھے لکھے ہوں انہیں بالخصوص حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مطالعہ کی تلقین فرمادیں۔ بہر حال طالبین کو محروم نہ فرمائیں میں اسکی آپکو اجازت دیتا ہوں۔ حق تعالیٰ اکابر مشائخ کی راہ پر چلائے اور برو تقوی کی توفیق دے۔ آمین۔

خانقاہ طیب جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ، میرٹھ شہر

مہتمم
جامعہ عربیہ نور الاسلام
شاہ پیر گیٹ، میرٹھ شہر

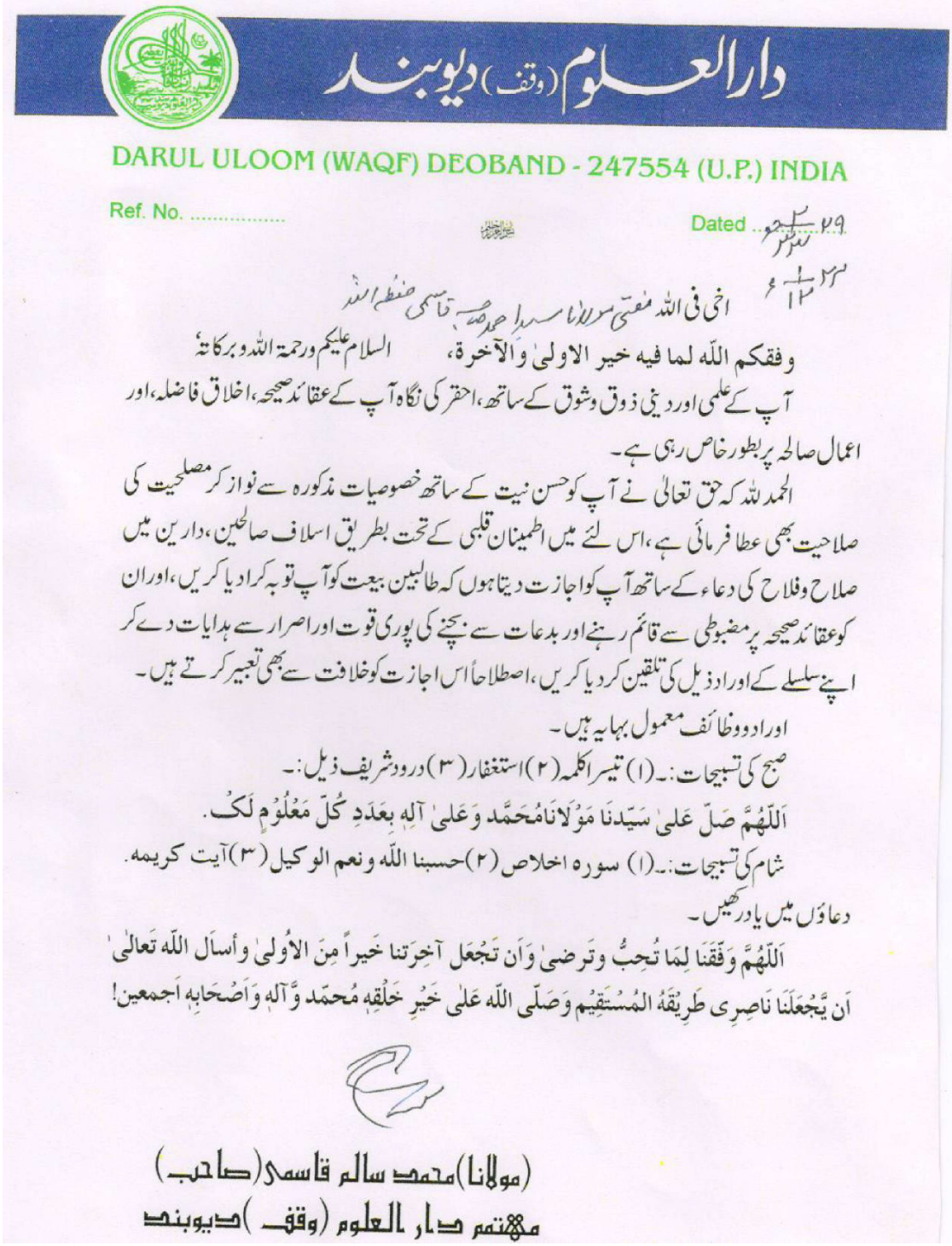

دارالعلوم (وقف) دیوبند
DARUL ULOOM (WAQF) DEOBAND - 247554 (U.P.) INDIA
Ref. No. .... Dated ۲۹ محرم ۲۳/۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخی فی اللہ مفتی مولانا سید احمد صاحب قاسمی حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
وفقكم الله لما فيه خير الاولىٰ والآخرة،

آپ کے علمی اور دینی ذوق وشوق کے ساتھ، احقر کی نگاہ آپ کے عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ، اور اعمال صالحہ پر بطورخاص رہی ہے۔

الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کو حسن نیت کے ساتھ خصوصیات مذکورہ سے نواز کر مصلحیت کی صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے، اس لئے میں اطمینان قلبی کے تحت بطریق اسلاف صالحین، دارین میں صلاح وفلاح کی دعاء کے ساتھ آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ طالبین بیعت کو آپ توبہ کرادیا کریں، اوران کو عقائد صحیحہ پر مضبوطی سے قائم رہنے اور بدعات سے بچنے کی پوری قوت اور اصرار سے ہدایات دے کر اپنے سلسلے کے اوراد ذیل کی تلقین کردیا کریں، اصطلاحاً اس اجازت کو خلافت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اوراد ووظائف معمول بہا یہ ہیں۔

صبح کی تسبیحات:۔(۱) تیسرا کلمہ (۲) استغفار (۳) درودشریف ذیل:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ سَيِّدِنَا مَوْلَانَامُحَمَّد وَعَلىٰ آلِهِ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَكَ.

شام کی تسبیحات:۔(۱) سورہ اخلاص (۲) حسبنا الله ونعم الوكيل (۳) آیت کریمہ.

دعاؤں میں یادرکھیں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وتَرضىٰ وَاَن تَجْعَل آخِرَتنا خَيراً مِنَ الاُولىٰ وأسأل الله تَعالىٰ اَن يَّجْعَلَنَا نَاصِرِی طَرِيْقَهُ الْمُسْتَقِيْم وَصَلّى اللّٰه عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحمّد وَّ آلهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجمعين!

(دستخط)

(مولانا) محمد سالم قاسمی (صاحب)
مہتمم دار العلوم (وقف) دیوبند

﴿تربت شیخ الحکماء﴾

۲۰۱۲ء

وَعلَی اللّٰہِ قَصْدُالسَّبِیْلِ وَمِنْھَاجَائِرٌ وَلَوْشَاءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ. (پارہ۱۴سورۂ نحل آیت۸)

۱۴۳۴ھ

فِیْ ذِمَّۃِ اللّٰہِ بِرَحْمَتِ اللّٰہِ

۲۰۱۲ء

صدرالعلماء ،تاج الحکماء، ولیِ کامل

مولانا حکیم حاجی محمد اسلام صاحب انصاریؒ

۲۰۱۲ء

ولادت:

مؤرخہ ۲۰؍جنوری ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۵ھ۔

وفات:

مؤرخہ ۱۶؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۱؍دسمبر ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ علی الصباح۔

حیاتِ اسلام

محمد اسلام حسن آفتاب انصاری

مرتب

سہیل الرحمٰن قاسمی

مکتبۃ الاسلام

MAKTABA AL-ISLAM

Jamia Arabia Noorul Islam Shah Peer Gate, Meerut, U.P.
E-mail: noorulislammeerut@gmail.com

Printed at: Z. Computer, Mob.:9610845366